

UNIVERSAL
LIBRARY

OU_228280

UNIVERSAL
LIBRARY

سلسلہ تاریخی سلسلہ اول

اَللّٰهُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِٖ وَسَلَّمَ



شعراے عجم کی سوانح عمریان اور ان کے کلام کا انتخاب سے ترجمہ انگریزی

مترجمہ علامہ مولانا

محمد شفیع الدین حسان مراد آبادی

ماراؤل

بلائی ایڈیٹورس پبلسیشنز ڈیپارٹمنٹ، لاہور

جمعیۃ حقوق بشری شہین

لاہور

۸۶۱۵۰
۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سُحْرَہٗ وَنُصْلِ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ ۝

اسے برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم
وز ہر چہ گفتہ ایم دشمنیدہ ایم و خواندہ ایم
و من تمام گشت و پایان رسید عمر
ماہم چنان در اول و صفقہ مانده ایم

سلف سے لیکر اب تک بقدر حکماء اور فلاسفر گذرے ہیں۔ سب سے بلا اختلاف آراء مان
لیا ہے کہ تاریخ و سوانح عمری۔ علم فلسفہ کے بعد اہل دنیا کی ضروریات پوری کرنے
کے لئے لابد ہیں۔ سوانح عمری اور تاریخ بڑی پرانی چیز ہیں۔ اگر آپ اب سے
دو ہزار برس پیشتر یونان کی طرف عالم خیال میں سیر کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے
کہ پلوٹارک (Plutarch) جسکی پیش بہا اور اول درجہ کی سلاست و مہارت لئے
ہوئے سوانح عمریان اب تک ہماری نظروں کے سامنے موجود ہیں۔ اسی زمانہ میں تھا
اگر علم تاریخ و سوانح عمری نہ ہوتا تو ہم دنیا کے حالات سے محض بے خبر رہتے۔ سوانح عمری
اور تاریخ ایک ہی صدف کے دو موتی یا ایک ہی کان کے دو جواہر آبدار ہیں۔
انسان کی سوانح عمری سے اس کے عروج و زوال کی صحیح تصویر اسکی چال وصال کا

اصلی اندازہ۔ جو جو کام اوس نے کئے ہیں اونکا مفصل حال معلوم ہو جاتا ہے جیسے رنگین تصویروں میں مختلف رنگوں سے آدمی کی صورت اور لباس کا نقشہ دکھلاتے ہیں اسی طرح سوانح عمری میں مکمل طور سے انسانی فوٹو نظر پڑتا ہے۔ یوں سمجھو کہ انسانی زندگی کا پانوراما سوانح عمری ہے جس میں وہ چلتا پھرتا بائیں کرتا اور اپنی کارگزاریاں دکھلاتا نظر آتا ہے۔ آپ اس مجموعہ ہی کو ملاحظہ فرمائیے اس میں آپ ایک شاندار اور بھری مصلحت میں جامی۔ غرضی۔ رومی۔ فردوسی۔ وغیرہ وغیرہ نظر آئیں گے۔ کبھی لقبوں میں کلام کرتے ہوئے۔ کبھی نظم میں عشقیہ اور رزم بزم کی داستان سناتے ہوئے۔ دوسری طرف یہی سخنور فصیح و بلیغ انگریزی میں گفتگو کر رہے ہیں۔ کیا یہ مجلس قابل رشک نہیں ہے؟ ان لوگوں کو گزرے سیکڑوں برس ہو گئے مگر وہ اپنی تصنیفات کے قالب میں اب تک زندہ ہیں۔ ہم سے بائیں کرتے ہیں اپنا حال سناتے ہیں۔ انکے کلام اور انکی تصنیفات کو ہم کیوں اور کس وجہ سے اپنے سر آنکھوں پر رکھتے اور فرسے سے پڑھتے ہیں۔ اس کا سبب وہی مخبر صادق صلعم کا پاک کلام اطلبوا العلم ولو کان فی الصمین (حصول علم کی کوشش کرو اگر

وہ چین سے دستیاب ہو) اور ایک پُرانا قول ہے

کسب کمال کن کہ عزیز جہانوی کسب کمال بیچ نیر ذغریز من
 ہے۔ ان لوگوں نے اپنی پیش بہا عمر کا بہت سا حصہ طلب علم میں گزارا اور یہ اسی کی بدولت ہی کہ دنیا بھر تعریف و تحسین کر رہی ہے۔ نظم کی دنیا میں یوں تو بہتر سے قادی کلام مصنفین گزرے ہیں مگر میں نے خصوصیت کے ساتھ اون ہی کو لکھا ہے جن کے کلام کو جواہرات کی برابر یورپ تول رہا ہے اور جنکی تصنیفات کو قبولیت کے

زیور سے آراستہ ہو کر جرمنی - فرانسیسی - اسپینی - لاطینی - یونانی - انگریزی - ترکی
زبانوں میں ترجمہ ہونیکا فخر حاصل ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ اردو یا فارسی میں ایسی کتابیں بہت کم ملین جن سے
میری کتاب کی تدوین میں مدد ملتی۔ جہاں تک میرا خیال ہے اب شاید ہی کوئی
ایسا سخنور باقی رہا ہوگا جسکے کلام کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہو گیا ہو اور میں نے
اوسکا ذکر نہ کیا ہو۔ چند شعراء کی سوانح عمریوں میں بہت مختصر میں افسوس ہے کہ انکے حالات
مفصل ماوجود تلاش بسیار نہ دستیاب ہو سکے۔ جسقدر طے اونہیں پرکتنا کیا گیا۔
میں نہایت ادب سے تسلیمان شوکت - سکندر مرتبت - رکن الدولہ - حافظ
ہزائمیس حضور نواب محمد بھاول خان بھادر نصرت جنگ - جی سی -
ایس - آئی - دام اقبالہم والی ریاست بھاولپور کا ولی شکر یہ ادا کرتا ہوں کہ حضور مہج
نے اس ناچیز تابع کو پسند فرما کر میری امداد فرمائی۔ خداوند کریم ایسے قدر دان
رئیس کو جمع آفات سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

عاصی

محمد شفیع الدین خان عفی اللہ عنہ
مراد آباد - نومبر ۱۹۰۳ء

فارسی زبان اور شعر کی نسبت عالمِ علومِ مشرقی اسٹیوارٹ کا سٹیلو کی رائے

فصیح - بلیغ - جامع اور نفیس زبان جو شاعری کے واسطے موزون اور مناسب ہے وہ فارسی ہے۔ نظم کے واسطے یہ شیرین زبان ایسی پر مایہ ثابت ہوئی ہے کہ حقیقتاً شاعر عجم میں پیدا ہوئے اوس کے عشرِ عشریہ سے بھی یورپ کو افتخار نہیں حاصل ہوا۔ حافظہ سعدیؒ تو سرمایہ ناز ہوئے ہی مگر اور بھی ایسے ہیں جنکو یورپین بڑی ہی عزت سے سراہتے اور ہم آواز ہو کر ادکے کلام کی عمدگی کا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ فارسی غزلیں اگر جنگِ رباب پر گائی جائیں تب بھی مزہ دیتی ہیں اور اگر ویسے ہی پڑھی جائیں جب بھی لطف حاصل ہوتا ہے۔ فارسی زبان کے مشہور عالم سرولیم جونس جیکے متعدد تراجم کتبِ مشرقی قالبِ طبع میں آچکے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

”طبیعت پر گہرا اثر کرنے میں تشبہات و استعارات میں بنیظیر - دلسوزی میں آتش اور زندہ رنگینوں سے پُر - پردہ دنیا پر اگر کوئی زبان ہے تو وہ فارسی ہے۔“

اوپر کی رائے بہت زیادہ وقعت کے قابل ہون ہے کہ وہ مشرقی علوم کے مسلم الثبوت استاد اور انگریزوں میں مایہ فخر و ناز ہیں۔ اس خزانہ (فارسی) کو انگریز - فرینچ جرمن قوموں نے ان تھک کوشش اور کامیابی سے حاصل کیا ہے۔ اور واقعی ان قوموں کی کوشش بہت ہی قابلِ ستائش ہے۔ مجھے خوب معلوم ہے کہ ہندوستان میں جہان کے باشندوں کو فارسی سے قریبی مناسبت ہے وہ کتابیں جن کو یورپین علماء

نے اپنی زبانوں میں ترجمہ کر کے شہرت حاصل کی ہی اکثر کمیاں ہیں۔
 ہندوستانوں کی یہ غفلت قابلِ افسوس ہے۔ اوطنوں نے اس علم کی قدر نہ جانی
 یہ تو اس قابل تھا کہ سونے کے حروف سے لکھو اگر الماریوں میں محفوظ رکھا جاتا۔
 ہماری قوم سن درجہ قابلِ تعریف ہے کہ اس نے اول تو غیر زبانوں میں دستگاہ کائن
 پیدا کی اس کے بعد ان علوم کی عمدہ عمدہ اور شیش بہا کتاہوں کا ترجمہ کر کے اپنے
 ہم قوموں کے واسطے آگاہی کا دروازہ کھول دیا۔ میں نے فارسی زبان بڑی
 مشکل سے حاصل کی اور مجھے اسکی تحفیں میں بڑی وقتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ
 خلاق ازل نے ہماری پنج پڑی شکل پسند بنائی ہے۔ ہم جب تک کامل طور سے ایک
 چیز کو نہیں حاصل کر لیتے طبیعت کو چین نہیں پڑتا۔ اور ولایت میں تو خاص کر بڑی
 دقت ہے کیونکہ وہاں اور علوم کے تو عالم بہت مگر فارسی دان کم ہیں۔ اسوجہ سے
 خدا جانے کن کن وقتوں کا سامنا ہوا۔ جب کہ میں جا کر میں فارسی کی شیرینی کا مزہ
 چکھنے کے قابل ہوا۔ سر ولیم جونس دیوان حافظ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں۔

”فارسی زبان پر عبور کر لینا بڑی جوانمردی کا کام ہے۔ ترجمہ میں گو محنت بہت ہوتی ہے
 اور حتی الوسع ایسی کوشش سے ترجمہ کیا جاتا ہے کہ مطالب اور الفاظ غیر زبان کے
 پورے ادا ہوں۔ مگر جو اصل میں خوبی ہوتی ہے وہ نقل میں کمان۔ لاکھ فارسی کو
 انگریزی ڈریس بھنپا یا تو کیا ہوتا ہے۔ مان صرف فارسی سے نا آشنا سمجھ لیتے
 ہیں۔ مگر وہ اس بیوٹی (خولصورتی) کو نہیں جان سکتے۔ جو اصل زبان میں ہوتی
 ہے۔ طبیعت کا فائدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی زبان کو حاصل کر لیتا ہے تو اسکا
 دل جانا کرتا ہے کہ اس زبان کی عمدہ عمدہ تصانیف کو اپنی زبان میں ترجمہ کر لے“

اگرچہ فاضل سرولیم نے یہ لکھا ہے کہ اب تک بہت سی مشرقی کتابوں کے ترجمے فرانسیسی - جرمنی - انگریزی میں ہو چکی ہیں اور آجکل جس شخص کے قلم سے ہو بہو الفاظ چستی اور بندش لئے ہوئے نکلے ہیں وہ مسٹر فاربس فاکنر ہے۔

اس عالم میں یہ عجیب بات ہے کہ جیسی سلاست اور فصاحت اصلی فارسی اور سنسکرت میں ہوتی ہے سببہ ویسی ہی ترجمہ میں ادا کرتا ہے۔ مروجہ سرگور اولیٰ نے اتھال سے پیشتر ایک مجموعہ فارسی مضامین کا ترتیب دیا تھا جسکو ایڈیٹنگ سوسائٹی نے چھاپا ہے مجھے بھی اس کے مسودہ دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ سبحان اللہ کیا موتی پروئے ہیں۔ اور کس تحقیق سے مضامین لکھے ہیں۔ یورپین قوموں کی کوشش کی ایک حکایت سناتا ہوں کتاب الفنی مصنفہ ابو الفرح علی بن حسن بن محمد قریشی الاصفہانی (جو فن موسیقی میں اعلیٰ درجہ کی کتاب ہے) نہیں دستیاب ہوتی تھی۔ محققوں کو تلاش تھی جب مصر زفرنگ سے جنگ ہوئی اسوقت یہ کتاب منشیر ریج کو ملی۔ یہ قلمی ہے اب تک رائل لائبریری میں رکھی ہوئی ہے۔ خط نہایت پاکیزہ اور مضمون بہت اعلیٰ درجہ کا ہے اسکا مصنف ابو الفرح ۱۲۴۲ھ ہجری میں پیدا ہوا تھا اور اس نے یہ کتاب خلیفہ ہارون رشید عباسی کے حکم تصنیف کی تھی۔ اس میں ایک سوراگ بجانے کی ترکیبیں درج ہیں۔ اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو گیا ہے اور علم موسیقی میں انگریزی راگ کے ساتھ مشرقی چاشنی دیکر ایک معجون مرکب ماہران موسیقی نے علیا کی ہے۔

سرولیم ولس کے علاوہ انگلش - چینیز اور وان ہیمبر نے بھی فارسی شعراء کی کلام

سے ایسا نام جزئی سوسائٹی میں مشرقی کتب کے تراجم یہ صاحب شائع کرتے ہیں ۱۲ مہرم

کے تہجے یورپ میں بکثرت شائع کئے اور یورپ نے جتنی ان عاملوں کی قدر کی
 اوس سے زیادہ کے یہ قابل تھے۔ اب میں ایشیائی خوشنویسی کا تذکرہ کرتا
 ہوں۔ خوش قسمتی سے جہاں مشرق میں ایسے بے نظیر سخنور گزرے ہیں وہاں خوش
 نویسی کے ماہرین کی بھی کمی نہیں۔ ایشیائی بادشاہوں اور امیروں کو ہمیشہ شوق رہا
 کہ عمدہ عمدہ کتابیں مطلقاً و مذہب خوشخط لکھو اگر الماریوں میں رکھیں۔ بہت سی
 ایسی کتابیں آجکل یورپ میں موجود ہیں جنہیں دیکھ کر آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے اور خیال
 ہوتا ہے کہ اللہ اکبر ایسے بھی عباد و رقم گزرے ہیں۔ ان کتابوں کا کاغذ سبجہ میں نہیں آیا
 کہ کس چیز کا بنا ہوا ہے۔ چکناہٹ اور چمک داری کی جہت سے تو ریشم کہہ سکتے
 ہیں لیکن ریشم کی کیا حقیقت ہے۔ روشنائی ایسی نفیس اور روشن کہ صدا بان
 گز گزین مگر کیا مجال جو ذرا بھی خراب ہوئی ہو۔ مسن میں نہایت عمدہ گلکاری
 کی ہوئی اور اوس میں سونا بھرا ہوا۔

امپیریل لائبریری وائن میں ایک نسخہ قلمی دیوانِ کامل کا رکھا ہوا ہے۔ خط
 کا تو کیا گنا مگر اوس میں جو تصویریں بنی ہوئی ہیں وہ لاجواب ہیں۔ اس زمانہ
 میں کوئی مسطور ایسا نہیں جو اس قسم کی تصویریں بنا سکے۔

مسٹر ایڈورڈ مور مصنف ہندو پن تھن کے پاس چند نہایت نادر کہتے تھے
 جس میں سے ایک ۱۲ ۱/۲ فینٹ لانا تھا۔ اندھا ہوس لائبریری میں مطلقاً کہتے
 اور مذہب قلمی کتابیں کثرت سے ہیں۔ قرآن مجید کے بعض نسخے ایسے چھوٹے
 اور باریک خط میں لکھے ہوئے ہیں کہ جب تک آئی گلاس سے نہ دیکھے جائیں
 ایک حرف بھی نہیں سو جھتا۔ مگر خط نہایت پاکیزہ۔ تعجب ہے کہ کاتب

کمان کے تیز نظر تھے !

ایک نسخہ راماین کا بھی موجود ہے وہ بھی ایسا ہی عمدہ ہے۔ نوٹس کہ
مشرق بجاظ شاعری اور خوش نویسی اب تک معراج کمال پر ہے اور یورپ
کسی حالت میں مقابلہ نہیں کر سکتا۔

اسٹیوارٹ کاسیلو

از اسٹیمک جرنل

شیخ مصلح الدین سعدی شیرازی

در شعبہ رسکین ہمیں یاد اند کہ دو سہی و انوری و سعدی بقول ٹی جانسن الیبری شیخ ۷۵۰ ہجری میں خاک پاک شیراز کے قصبہ طاوس میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد بزرگوار کا نام شیخ عبداللہ بن شرف الدین تھا۔ یہ بزرگ صوفی منس اور بہت ہی پاک طبیعت کے آدمی تھے۔ شاہ آتابک سعد زنگی انکی عید تعظیم و تکریم کرتا اور انکے ارشاد کو بمنزلہ فرض جانتا تھا اس لئے شیخ کو آنکھ کھولنے ہی ایسی حکمت نظر پڑی جس میں علمائے کرام۔ صوفیائے عظام کا جمع تھا۔ کیونکہ شیخ کا گھر بزرگوں کی نشست۔ اور شیخ کی صحبت ذی عزت امرا کا حلقہ تھی۔ اس وقت شیراز کی ایسی حالت نہ تھی کہ کوئی ذہین طالب علم اپنے علم کا دائرہ وسیع کرتا۔ کیونکہ ملازوں کا زور شور ترقی پر اور جہالت کا دریا اُمنڈ رہا تھا۔ شیخ بچپن ہی سے ۵

بالائے سرش زہونمندی مے تافت سارہ لبندی

کا مصداق اور ہر علم میں تہ تک پہنچنے والا آدمی تھا۔ فیاض قدرت نے اسکی طبیعت میں روز ازل ہی سے علمی ذوق و شوق بھرا دیا تھا مگر شیراز اس آرزو کے پورا کرنے کے لئے قطعاً ناکافی تھا۔ شیخ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار اور شیخ مصلح الدین ۷۰ سے پائی۔ ۹ برس کی عمر میں قرآن حفظ کیا۔ صرف و نحو کی کتابیں ختم کیں۔ اور تیرہ سال کی عمر میں حج بیت اللہ سے فارغ ہوا۔ شیخ کے والد

علم موسیقی کے کامل تھے اور اُس زمانہ میں یہ فن محبوب نہیں سمجھا جاتا تھا
 (اسحق موصلی کے حالات ملاحظہ ہوں) اس لئے شیخ بھی اس فن میں طاق ہو گیا
 اس سے خدا نخواستہ یہ نہ سمجھ لیا جائیے کہ یہ بزرگ مرانی یا گویا تھا یا اس کے
 بزرگوں کا پیشہ تھا۔ بلکہ جہاں اور علم تحصیل کرتے تھے وہاں یہ بھی تھا۔ ورنہ
 شیخ کا خاندان ایسا عجیب و شریف تھا کہ لوگ جو تیار اور ٹھکانا فخر سمجھتے تھے۔
 جلال الدین بغدادی نے حیات سعدی میں اور شہر مہرگ نے مفصل کیفیت لکھی ہے
 ہم پہلے ہی لکھ چکے ہیں کہ شیخ کا دل شیراز کی حالت دیکھ کر نہ لگتا تھا اور زیادہ
 بے چینی توں تھی کہ طلب علم کا کوئی ذریعہ نہ دکھلائی دیتا تھا۔ مدرسے تو بہتری تھی
 مگر وہاں وہ ہی کٹہے مٹا جو ذرا سی بات میں تکفیر کا فتویٰ لگا دینے کو طیار تھے۔
 مدرسے تھے۔ پھر ایسے مستعجب اور کڈہ نائر اش معلوم سے کیا حاصل ہوتا؟
 بخجوری سترہ برس کی عمر میں والدین کی وفات کے بعد یہ قطعہ پڑھتا ہوا بغداد
 کی جانب روانہ ہوا۔

دل از صحبت شیراز بکلی بگرفت
 سعدی صاحب وطن گرد پدیش بہت

وقت آنست کہ بری خبر بغدادم
 نتوان مرد بہ سختی کہ من اینجا زادم

بغداد اس وقت میں محزون علم و ہنر تھا۔ مارونی و مامونی شان و شوکت کے آثار اور
 علمی کھاڑے اب تک موجود تھے۔ مشہور نظامیہ کالج جسکی حسرت ناک سوانح عمری کے
 تاریخ بغداد بھری پڑی ہے اوس میں شیخ داخل ہوا۔ ذہین اور ہونہار طبیعت نے
 اوستادوں کو اپنے اوپر مائل کر لیا۔ اور معقول وظیفہ بھی مقرر ہو گیا۔ شیخ کو واسطے
 اور کیا چاہیے تھا۔ بفرانغ خاطر تحصیل علم میں مشغول ہوا۔ پہلے علم تفسیر پڑھا۔ برس

دن میں امتحان کے بعد اُن طلبہ سے اچھا رہا جو برسوں سے تحصیل علم کر رہے تھے۔
 تین یا اس سے کم ماہ میں دینیات پڑھ کر یورپین زبانوں کی طرف متوجہ ہوا۔
 پہلے لاطینی پڑھی اور اُس کو چھ ماہ میں سیکھ لیا۔ چھ مہینے میں غیر زبان سیکھنے کی تہ
 وجہ ہوئی کہ بعد ازیں تمام دنیا کے آدمی موجود تھے۔ سعدی رہ کر ہر ملک کی زبان اور
 طرز معاشرت جاننے کا شوق تھا اور لغامیہ کالج میں جو باہر بکثرت موجود تھا۔
 سعدی سا آدمی۔ علم کا بھوکا۔ کیسے ان انمول جواہرات کو چھوڑتا۔ خوب دونوں زبانوں
 سے رولا۔ اور اتنا جھجھکی میں بھرا کہ جگہ نہ رہی۔ جب شیخ کو لاطینی خوب آگئی تو یونانی
 زبان کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ زبان وقت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی اس لئے اسکو
 محض نہیں کہتے تھے۔ ہومر کی نظم پر جو قیمتی شرح لکھی جو وہ اب تک یورپ میں تہج سے
 دیکھے جاتی ہے۔

سنکرت زبان شیخ نے ہندوستان میں سیکھی اور اوپر بھی ایسا عبور کیا کہ
 برہمنوں تک کو حیران کر دیا۔ اسکے بعد ہیئت۔ نجوم۔ طبیعیات۔ فلسفہ۔ منطق۔
 اور ریاضی مروجہ علوم تحصیل کئے۔

اب ہمیں کچھ شیخ کی تقدیر کا ذکر کرنا چاہیے۔ اسکے واسطے یہ ہی کافی ہے
 کہ سعدی کے والد خود بڑے صوفی اور استاد شیخ مصلح الدین ۷۰۰ تو کان تغوی
 تھے۔ ان دونوں نے اسکے دل کو اس پاک تلقین سے سوز کر دیا تھا اور اس کے
 بعد فاذاں سہروردیہ کے بانی شہاب الدین حضرت شیخ شہاب العین سہروردی
 کی صحبت نے ری ہی کمی پوری کر دی تھی۔ گو شیخ سہروردی تھا مگر مال قال کی محبتوں
 میں برابر شریک ہوتا تھا۔ اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ قوالی کا عاشق تھا

یا بغیر گانا سنے اوس کو چین نہیں آتا تھا۔ بلکہ ایسی مہلبون میں جا کر اوسکی روحانی
 قوتیں بڑھتی تھیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ اوسکا مبلغ علم کیا تھا۔ اگر وہ شاعری
 میں ہو مگر تو حکمت میں ارسطو تھا۔ لاطینی مادری زبان کی طرح بولتا تھا۔ جونٹ
 اسنے لاطینی شعرا کی کتابوں پر دسے ہیں وہ آئیس میں اب تک یادگار ہیں۔
 جہاں جہاں گیا وہاں کی زبان ضرور سیکھ لی۔ تقریر میں ایسا جا دو دھکا کہ چھوٹے
 سے لے کر بڑے تک ہر شخص اسکے ایک ایک لفظ پر فریختگی ظاہر کرتا تھا۔
 عبرانی اور سربانی زبانیں بھی سوجنی آتی تھیں۔ چند محققوں نے لکھا ہے کہ شیخ
 جھیس زبانون کا عالم تھا۔

ہندوستان میں کوئی جانتا بھی نہیں کہ سوائے گلستان۔ پستان کے ادھی
 کسی علم میں شیخ کی تصنیف ہے۔ گو شیخ عالم تھا مگر کبھی ممبر پر کھڑے ہو کر وعظ نہیں
 بیان کیا۔ شیخ کی تصنیفات تقریباً اکیسویں^{۱۵} جاس میں جو اس نے ہر علم میں لکھی ہیں مگر
 جنگی شہرت ہندوستان میں ہو وہ صرف گلستان۔ بوستان۔ کرما۔ اور
 کلیات سعدی ہیں۔ ہزلیات ہی اسی بزرگ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں جو چند
 شر النفس اشخاص نے حسب باطنی مشائے کے لئے تصنیف کر کے چپکا دئے ہیں
 جہاں تک عقل نقادنا کرتی ہو اور جس پہلو پر سوچا جاتا ہو یہ ہی معلوم ہوتا ہے کہ بہلا
 شیخ سا بزرگ جامع العلوم شخص ایسی واہیات باتیں لکھتا۔ دوسرے ان ہزلیات
 کی عبارت شیخ کے مضمون سے لگا لگاتی ہو۔ ہننے جہاں تک یورپین محققوں اور
 مورخوں کے اقوال ہزلیات سعدی کے بارے میں تلاش کے سب سے یہ ہی ثابت
 ہوتا ہے کہ یہ کسی ذات شریف کی کارستانی ہے۔ خوش قسمتی سے میں ایک ایسی منبر

اور زبردست شہادت ملگئی جبکہ مرتبہ اور شہادتوں سے بلند ہے۔ یعنی ملاحمید الدین سیالکوٹی پرائیوٹ سکریٹری بہادر شاہ ابن اورنگ زیب اپنی مبسوط تصنیف گلشن ایران میں لکھتا ہے "سعدیؒ کی ہزلیات دیکھ کر مجھے سخت تعجب ہوا کہ ایسا مہذب فاضل اور استعداد فحش و ہزل لکھے۔ تحقیق سے ثابت ہوئی کہ یہ سراسر نور جہان کی ہے۔ اس نے چند شیرازیوں کو پوشیدہ بوا کر یہ ہزلیات تصنیف کرائیں اور سعدی علیہ الرحمہ کے نام کے ساتھ چپکا دیں۔ جو لوگ اس مشورہ میں شریک تھے اونہیں سے صرف دو کا نام معلوم ہو سکا۔ ایک علی نقی۔ دوسرا علی حبیب۔ ان دونوں شہریوں نے ہزلیات بڑی کوشش سے ایک جماعت کے مشورہ سے تصنیف کیں اور ہزاروں روپیہ نقل نویسون کو دیکر نقل کرایا۔ اور مختلف ممالک میں تقسیم کرا دیا۔ مجھے تحقیق معلوم ہے کہ پہلے سعدیؒ کی ہزلیات کا نام بھی نہ تھا نور جہان کے وقت سے یہ صوت پیش آئی ہے۔"

شکر ہے کہ ملاحمید الدین کی کوشش نے یہ بدنامی و ہتھیہ سعدیؒ کو دامن سے مٹا دیا۔ بہت سے عینائی علماء نے بھی سعدیؒ کا تذکرہ کیا ہے مگر کسی نے اشارتاً بھی یہ نہیں لکھا کہ یہ ہزلیات اسی کی تصنیف ہیں۔ یہ انشا اللہ فان انشا اللہ ہی لکھے ہیں۔ شیخ کی تصنیفات میں سب سے بڑی اور بیش قیمت کتاب سلطنت عباسیہ کی چھ تو برس کی تاریخ ہے۔ بدقسمتی سے ہندوستان میں یہ کتاب ناپید ہے۔ البتہ فرانس۔ جرمنی۔ انگلستان میں اسکے ترجمے ہو گئے ہیں۔ دوسری ضخیم اور بیش بہا تاریخ جزائر افریقیہ ہے۔ اسکی بھی چار جلدیں ہیں۔ جہانک تحقیق ہوا ہے شیخ کی تصنیفات تعداد میں ۵۰ ہیں۔ گرامین بہت سی ہیں

ہین جو دوسروں کے نام سے اشاعت پا گئے ہین۔ آرسطو اور فلاطون نے فلسفہ پر جو نئے نئے مسائل لکھے ہین سعدی نے اونپر نہایت قابلیت سے نکتہ چینی کی ہے۔ شیخ نے سیاحت ہیت کی۔ یوں خیال کرنا چاہیے کہ اسکی عمر شریف کے پورے سو برس سیاحت میں گزرے۔ اور دنیا سے معلوم کے کل حصص میں لیا اپنے سفر نامہ میں پورا حال لکھا ہے۔ جب تمام میں گردش لگا چکا تو اپنے وطن بلوچہ میں چلا آیا۔ جب یہ شیراز سے مجبوری جدا ہوا تھا تو اوسوقت ملاون کی زبردستی بزرگ اور غیاث الدین کے حملوں نے شہر کو نیم جان کر دیا تھا۔ مگر اب وہ باتیں نہیں ہی آتا ابک ابو بکر نے جاہل سوہویوں سے شیراز کو پاک و صاف کر دیا تھا اور قاعدہ بھی ہے کہ جب بڑا پا آجاتا ہے تو ہر آدمی کو وطن یاد آیا کرنا ہے۔

حُب الوطن از ملکِ سلیمان خوشتر
خارِ وطن از سنبلِ وریجان خوشتر
یوسف کہ مبصر بادشاہی سیکرد
مے گفت گدا بودن کنعان خوشتر

شیراز میں جب پہنچا تو یہ اشعار ورد زبان تھے۔

نذانی کہ سن در اقا نیم غیبت
چرا روزگارے نیکردم درنگے
برون فتم از تنگ ترکان کہ دیدم
چنان در ہم افتاد چون موہو زنگی
ہمہ آدمی زاد بودند لیسکن
چو گرگان سخن از ارگی تیز جنگی
درون مردمی چون ملک نیک
برون شکرے چون ہنر بران جنگی
چو باز آدم کشور آسودہ دیدم
پنگان رہا کردہ خوئے لیسنگی
چنان بود در عہد اول کہ دیدم
جہان پر ز آشوب و تشویش جنگی
چنین شد در ایام سلسلہ اول
آتا ابک ابو بکر بن سعد زنگی

یا ایک وہ زمانہ تھا کہ ”دلہ از صحبت شیراز بجلی بگفت“ اسکی زبان سے نکلا تھا
پھر تمام عمر شیراز سے نہ گیا۔ اب تک مقبرہ زیارت گاہ ہر خاص و عام ہے اور
سیاحوں کی سب سے زیادہ دلچسپی کا باعث ہے۔

قصیدہ

آسمانِ راتِ بود گر خونِ مبارکِ زمین
او محمد گر قیامت جو بر آری سوزِ خاک
نازنینانِ حرمِ راخونِ حلقِ نازنین
ز بہار از دور گیتی و انقلابِ روزگار
دیدہ بردار یکہ دیدی شوکتِ بیتِ اعظم
خونِ فرزندانِ عمِ معظمہ شد سخیستہ
بعد ازین آسائش از دنیا بنا چہ شہادت
و جہ خوننا بست زین برس نہ ہر ستر در
نوصد لایق نیست بر خاک شہیدانِ زانکہ
لیکن از روی مسلمانانِ و راہِ حرمت
باش تا فردا کہ بینی روز داد و ستخیز
نکیہ بر دنیا بنا یاد کرد و دل برو نہاد
زور بازو و شجاعت بر بنا یاد باہل
تیغِ ہندی بر نیاید روزی عجا از نیام

برزوال ملک مستعصم امیر المومنین
سر آرد دین قیامت در میانِ خلقین
ز استانِ گزشتہ مارا خونِ دل آید
در خیال کس گشتی کا پختن از گردوین
قیصرانِ روم سر بر خاکِ خاقانِ زمین
ہم بر آن خاک کہ سلطانِ نماز مذکورین
تیر در انگشتہ می ماند چو بر خیزد نگین
خاکِ نخلستانِ بطحی را کند باخونِ عجمین
کسرتن دولت مرایشان را بہشتِ سرتین
مہربانِ رادل سوزو در فراقِ نازنین
کز بعد بارو سے خونِ آلودہ بر خیزد و فین
کاسمان گاہے بہرست او برادرِ گزین
چون قفنا آید نماند قوتِ راسے زمین
شیر مردے را کہ باشد مرگِ پنهانِ در کین

نہجوت بیفائدہ است آنرا کہ برگردید سخت
 حملہ آوردن چه سود آنرا کہ برگردید زین
 سرگساند از پئے مردار دنیا جنگجو
 اسے برادر گر خرد مندی چہ سپہر غافل

غزل

اے باد صبح دم خبر دستان گجو
 بگذار مشک و بوئی سیر زلف بیا
 بستم بہ عشق موئے میانت کمر خرد
 با بلبلان سوخته بال ضمیر من
 سعدی مرد دست رفت بدستان زکا
 نزدیک دستان من این دستان گجو
 وصف حال آن بت نامہر بان بچو
 یاد شکر کمن سخن زان دستان گجو
 گردقت بینی این سخن زان دستان گجو
 پیغام آن دو طوطی شکر نشان گجو
 نزدیک دستان من این دستان گجو

بعض کا اعتراف ہے کہ شیخ رہ متعصب تھا وہ خود گلستان میں لکھتا ہے۔
 کیے جو وہ مسلمان خلاف جو بستند
 بہ طنز گفت مسلمان گر این قبائل
 جو گفت بہ تورات و جوزم سو گند
 گرا ز بیط زمین عقل منع دم گرو
 بخوانکہ خندہ گرفت از نزاع ایشانم
 درست نیست خدا یا جو دوسے را نم
 دگر خلاف کنم ہجو تو سلسلہ انم
 بخود گمان نہ بردن چ کس کہ نادانم
 واقعی ہر شخص اپنے ہی مذہب کو اچھا سمجھا کرتا ہے۔

اب ہم کچھ کلام انگریزی قالب کا بھی ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

CONTENTMENT.

From the Boston.

Smile not, nor think the legend
 That in old times a worthless stone

Such power in holy hands could gain,
 That straight a silver heap it shone.
 Thy alchemist Contentment be,
 Equal is stone or or to thee.

The infant's pure unruffled breast,
 No avarice nor pride molest:
 He fills his little hands with earth,
 Nor know that silver has more worth.

The sultan sits in pomp and state,
 And see the dervish at his gate;
 But yet of wealth the sage has more
 Than the great king, with all his store

Rich is a beggar, worn and spent,
 To whom a silver coin is thrown;
 But Fredoun was not content,
 Though Ajam's kingdom was his own!

18

ON TRUE WORTH.

Although a gem he cast away,
And lie obscured in heaps of clay,
Its precious worth is still the same;
Although vile dust be whirled to Heaven,
To such no dignity is given,
Still base^{as} when from earth it came.

Other.

I saw the demon in a dream,
But how unlike he seemed to be,
To all of horrible we deem,
And^{all} of fearful that we see.
His shape was like a cypress bough,
His eyes like those that Houris wear,
His face as beautiful as though
The rays of Paradise were there.
I near him came, and spoke—“Art thou,”
I said, “indeed the Evil one?”

No angle has so bright a brow,
 Such yet no eye has looked upon.
 Why should mankind make thee a jest,
 When thou canst show a face like this
 Fair as the moon in splendour drest,
 An eye of joy, a smile of bliss!

The painter draws thee vile to sight,
 Our baths thy frightful form displays;
 They told me thou wert black as night,
 Behold! thou art as fair as day!"

The lovely vision's ire awoke,
 His voice was loud, and proud his mien,
 "Beleive not, friend," 'twas thus he spoke,
 "That thou my likeness yet hast seen;
 The pencil that my portrait made.
 Was guided by an envious foe;
 In paradise I man betrayed,
 And he, from hatred, painst me so."



حکیم ابوالقاسم منصور فردوسی طوسی

دنیا کو اپنی سحر بانی سے حیران کر دینے والا فردوسی طوس کے موضع شاداب میں پیدا ہوا۔ فردوسی کا باپ مولانا فخر الدین احمد بہت بڑا عالم اور مذہبی پیشوا تھا۔ فردوسی کے باپ نے اسکے پیدا ہونے پر خواب دیکھا کہ منصور ایک بلند کوٹھے پر چڑھ گیا۔ اور قبلہ رو ہو کر سجدہ کیا اور لغزہ مارا۔ چاروں طرف سے مرغیالی صدائیں بلند ہوئیں۔ یہ خواب دیکھ کر اوسکی آنکھ کھل گئی۔ اور وہ شیخ نجیب الدین معبر کے پاس گیا۔ یہ شخص تعبیر کہنے میں بہت مشہور تھا۔ معبر نے کہا کہ منصور کے آئندہ قسمت بہت زبردست ہے۔ اور اس کے قلم کا شہرہ اکثاف عالم میں بلند ہوگا۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ خلاق ازل نے فردوسی کی طبیعت میں مادہ شاعری پہلے ہی سے ودیعت کر دیا تھا۔ بچپن میں اسکا دل بتے ہوئے دریا۔ موسم بہار اور خجیل کے سبزہ میں لگتا تھا۔ اور وہ قدرتی منازل کو بڑی دلچسپی کی نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ ابتدائی تعلیم اپنے باپ ہی سے پائی۔ اوس کے بعد علامہ قطب الدین مشقی کے سامنے زانو سے شاگردی یہ کیا۔ معمولی تعلیم کے بعد قرآن مجید حفظ کرنا شروع کیا۔ مگر خدا معلوم کونسی وجوہات پیش آئیں جنکی وجہ سے اس نیک ارادہ کو پورا نکر سکا۔ عظیم سمرقندی لکھتا ہے کہ فردوسی نے نصف کلام پاک حفظ کر لیا تھا۔ مگر اسی کوئی وجہ نہیں لکھی کہ پورا کیوں نہ حفظ کیا۔ علامہ قطب الدین

کے بعد خواجہ ناصر الدین طوسی سے ریاضی پڑھی۔ علوم دین تحصیل کرنے کے بارہ میں صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ مخالف علماء سے پڑھا اور جون جون عمر بڑھتی گئی شاعری کا شوق پیدا ہوتا گیا۔ کبھی کبھی آسدی طوسی سے بھی صلاح لیا کرتا تھا۔ ایک دن فردوسی اپنے دوست محمد شکر کی کے پاس بیٹھا ہوا گزشتہ شاہان ایران کی تاریخ کا ذکر کر رہا تھا۔ محمد شکر نے کہا کہ اگر تم واقعات سم کرنے پر کمر باندھو تو یہ کام بقائے دوام رکھتا ہے۔ فردوسی نے کہا کہ یغبال میرے دل میں کئی ماہ سے جاگزیں ہے مگر افسوس کہ تاریخ نہیں۔ محمد شکر نے خوش ہو کر کہا کہ تاریخ میرے پاس ہے بسم اللہ کر کے شروع کیجئے۔

فردوسی اس کتاب کو لیکر مسرت انگیز خیالات میں ڈوبا ہوا شیخ محمد معشوق طوسی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس جو اس زمانہ میں بہت بڑے صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے گیا اور نہایت ادب سے اپنا مقصد عرض کر کے دعا کی درخواست کی۔

بزرگ شیخ نے فردوسی کے حق میں دعا کی اور ایک سفارشی رقعہ ابوالمفسور حاکم طوسی کو جو شیخ رح کے میدان خاص میں سے تھا لکھ دیا۔ اس خط نے فردوسی کو اوج پر پہنچا دیا۔ اور حاکم طوسی نے ایسی ہی جلیل القدر شاعر کی قدر کی جیسے ایک شاہ کر سکتا ہے۔ فردوسی نے بہت جلد حسب الارشاد ضحاک اور فریدون کی داستان نظم کر کے پیش کی۔ ابوالمفسور کو بہت پسند آئی۔ انعام و اکرام دیکر آگے کھینے کے واسطے ارشاد ہوا۔ فردوسی نے ابھی تمہیں حکم نہ کی تھی کہ حاکم موصوف کا وہ دفعہ تاریخ سے انتقال ہو گیا۔

فردوسی کو اپنے سرپرست کے گزر جانے کا بہت صدمہ ہوا چنانچہ وہ شاہنامہ میں

اپنے رنج کو مندرجہ ذیل غنائک الفاظ میں ادا کرتا ہے۔

چنان نامور گمشد از نمن	چو از باد سرد و سہی در چمن
در رخ آن کمر بستہ آن گرد گاہ	در رخ آن کئی پُر ز بلا سے شاہ
گر فگار دل زوشہ ناسید	روان لرز لرزان بگردار سید
ستم باد بر جان آناہ و سال	کجا برتن شاہ شد بد سگال
یکے پسند آن شاہ یاد آورم	ز کسری روان سوے داد آورم
مرا گفت کاین نامہ شہباز	اگر گفتم آید بہستان سپا
دل میں گفت ارا اور ام شد	روانم بدین شاد و پر رام شد

ابو منصور نے وقت فردوسی کو وصیت کر گیا تھا کہ جہانگیر ہو سکے سلطان محمود غزنوی کے پاس جانے کی کوشش کرنا۔ وہ ایک قدر دان بادشاہ ہے ضرور عزت افزائی کریگا۔ فردوسی نے یہ بات گرہ میں باندھ لی۔ ابو منصور کے بعد ارسلان خان گورنر طوس مقرر ہو کر آیا۔ فردوسی اوس سے ملا۔ اوس نے بھی غزنی جانے کی ہدایت کی۔

عظیم سمرقندی نے ایک اور وجہ بھی غزنی جانے کی لکھی ہے مگر وہ قابل قیاس نہیں ہے اس لئے ہم اس سے قطع نظر کرتے ہیں۔ غرض فردوسی غزنی روانہ ہوا۔ غزنی میں اوسکی آمد کی خبریں اور کمال کا شہرہ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ غنصری۔ روم کی عسجدی وغیر ہم کو جو دربار سلطانی کی زینت تھے ازراہ حسد فردوسی کا آنا ناگوار گذرا۔ اور انہوں نے ایک خط فردوسی کو لکھا کہ تم یہاں آکر کیا کرو گے جب ہماری قدر نہیں ہوتی۔ تو تمہاری کیا عزت ہوگی۔ یہ بیچارہ محض بیخبر ہرات میں

مقیم تھا کہ یہ خط ملا۔ تمام قدردان کی اسیدین یاس کے ساتھ متبدل ہو گئیں۔ اس اثنا میں فردوسی کی خوش قسمتی سے بدیع الدین میرنشی دربار اور عفریٰ غیرہ میں شکر بخی ہو گئی اور بدیع الدین نے محض ان شعراء کو زک ہو پونچا نے کے لئے فردوسی کو سارا فریب کا مال لکھ دیا۔ اسے خدا کا شکر کیا اور میرنشی کے رقعہ کے جواب میں یہ تین شعر شکر یہ کے لکھ کر خود بھی روانہ ہو گیا۔

گوش از سرو شمشیر ہست دلم تیغ گوہر زبان از دہاست
 بہ سجد بمیزان من عفری گیاہ چون کشد پیش گلبن سہی
 ز بے دہشی باشد و کو دے کہ راسے فروزی زند رود کی

ان ہی دنوں میں سلطان محمود نے سات شعراء دربار کو تالیخ عجم نظم کر نیکا حکم دیا تھا اور ہر شاعر جان لڑا رہا تھا۔ ناظرین کی واقفیت کے لئے ان ساتوں شاعروں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ عفری۔ فرخی۔ زینی۔ عسجدی۔ چمن گین۔ فرخی۔ ترمذی۔ واقعی یہ شاعر اپنے فن کے استاد اور آسان شاہی کے شاعر تھے۔ مگر تالیخ عجم کا منظوم کرنا فردوسی کی قسمت میں لکھا تھا۔

سلطان محمود کا دربار نہ صرف شعرا ہی سے بھرا ہوا تھا بلکہ اس میں ہر علم و فن کے ماہر جمع تھے۔ مؤرخین نے بقای دوام کا تاج اس بادشاہ کو بھی پہنایا ہے اور اُس کو قدردان سلاطین کے زمرہ میں شامل کیا ہے۔ فردوسی منزلیں طے کرتا ہوا غزنی پہنچا۔ اور ایک باغ میں مقیم ہوا۔ اتفاقاً وہاں عفری عسجدی فرخی۔ یہ تین شاعر بیٹھے ہوئے اپنے کام کو انجام دے رہے تھے۔ فردوسی بھی وہیں چلا گیا۔ ان تینوں کو ایک غیر شخص کا محل ہونا بڑا معلوم ہوا۔ مگر لکھنا

بھی خلاف تہذیب تھا۔ تینوں نے صلاح کی کہ نو وارد کو محکم امتحان کرنا چاہیے
اگر پورا اوترا تو خیر ورنہ ذلیل ہو کر خود چلا جائیگا۔ اسے مین فردوسی
نے بھی سلام علیکم کی چنانچہ اونھوں نے اپنا گڑھا ہوا منصوبہ ان الفاظ میں بیان
کیا کہ۔

”ہم تینوں بادشاہی حکم سے تین سلاطین عجم منظوم کر رہے ہیں ہم نے تین مصرعے
تو موزون کر لئے ہیں۔ چوتھے کی تلاش ہے۔ فردوسی نے کہا فرمائے مین بھی
سُنوں۔ شاہ مجھے موزون ہو جائے چنانچہ اونھوں نے حسب ذیل مصرعے
پڑھے۔

عَنْصَرِي - چُونِ عَارِضِ تُو مَاهِ نَبَاشِدِ رُوشِنِ

فَرَخِي - مَانَسِ دُرُخْتِ گُلِ نُبُو دِ دِ گَلَشَنِ

عَسَدِي - مَرگَانَتِ گَرُزِ بَہِ کَمَنَتِ دَرِ جُوشَنِ

فردوسی نے فی البدیہہ کہا۔ مانند سنان گیو در جنگِ پشن
یہ سنتے ہی سب متعجب رہ گئے اونھوں نے گیو اور پشن کی اہلیت دریافت کی
فردوسی نے پورا واقعہ سُنا دیا۔ پھر اونھوں نے شاعری پر دقیق سوالات کئے
اُس امتحان میں بھی فردوسی پورا اوترا۔ اثنائے گفتگو میں اونہیں معلوم ہو گیا
کہ یہ فردوسی ہے۔ جب تو رہے ہے حواس اور بھی غائب ہو گئے۔ اونھوں نے
کوشش کی کہ فردوسی دربار میں باریاب نہوتے پائے۔ ادھر بلیغ الدین بھی
انہ قندہار ہو گیا۔ ناچار فردوسی سراسر مین مقیم ہو گیا۔ شدہ شدہ خیرہ
سلطان کے مصاحب خاص ماہک کے بھی کو شکر گزار ہوئی۔ وہ آیا اور نہایت

سے ہا کہاں شاعر کو اپنے گھر لے گیا۔ اور اطمینان دلایا کہ بارگاہِ سلطانی میں بھی آپکی رسائی ہو جائے گی۔ تاہم نے شعر بے دربار کے حال سے بھی آگاہ کیا کہ آج کل فلان حصہ تاریخ کا نظم ہو رہا ہے۔ فردوسی نے کہا کہ اگر میری رسائی دربار تک ہو جائے تو پھر شاعری کے جوہر دکھلاؤں۔ یہ واقعی بات ہے کہ اور شاعر سوچ سوچ کر اشعار موزون کرتے تھے اور فردوسی اسی وزن کے فی اللہ کہہ دیتا تھا۔ شاہنامہ پر ایک نظر ڈال جائے کہ میں آرد کا نام بھی نہ پائیگا۔ ایک دن عصفری نے دربار میں عرض کیا کہ حسبِ حصہ نظم ہو چکا ہے اجازت ہو تو یہ کیا جائے۔ سلطان نے اجازت دی۔ واقعی عصفری نے بہت محنت سے وہ حصہ نظم کیا تھا۔ فوجیت کا سہرا اسی کے سر پر باندھا گیا۔ سلطان نے بہت کچھ انعام و اکرام دیا۔ تاہم نے بھی یہ قصہ فردوسی سے بیان کیا۔ فردوسی نے کہا کہ اگر آپکو دو تین شعر عصفری کے یاد ہوں تو سنائے۔ تاہم نے یہ دو شعر سنائے

برائے کہ تشنہ شدی تو بخون بیاودی از خنجر آنگون
زمانہ بخون تو تشنہ شود و اندام موسے تو دشمنہ شود

یہ اشعار اس موقعہ کے ہیں جب رستم نے دہوکہ دیکر سہراب کو بھجھاڑا ہے۔ ادسوقت سہراب نے یہ حسرت ناک الفاظ کہے ہیں۔ فردوسی نے کہا اگر آپ مصلح دین تو میں بھی رستم سہراب کی داستان نظم کروں۔ تاہم نے کہا کہ آپ کے پاس تاریخ کہاں فردوسی نے تاریخ دکھلائی۔ تاہم بہت خوش ہوا کہ آپ ضرور داستان نظم کیجئے فردوسی نے چند روز میں واقعہ نظم کر کے حوالہ کیا۔ اور تاہم نے موقعہ پر سلطان کی خدمت میں پیش کیا۔ سلطان نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کے اشعار ہیں؟

ہاگت نے مفصل کیفیت فردوسی کی عرض کی۔ سلطان شہزادگی کے ساتھ خوش ہوا اور بہت ہی افسوس کیا کہ فردوسی کے آنے کی خبر اب تک ہمارے کانوں تک نہ پہنچی۔ دوسرے دن سلطان نے اپنے محلہ کے دروازہ پر ایک صندوق رکھوا دیا اور اعلان عام کر دیا کہ جو کوئی براہ راست بسے ملنا چاہے اپنی خدمت اس صندوق میں ڈال دی۔ فردوسی دوسرے دن دربار میں پیش ہوا۔ سلطان نے معذرت چاہی۔ تب تو اور بھی یہ بالکمال شاعر جھجک گیا۔ سلطان نے اوسے داستان کو پڑھنے کا حکم دیا۔ فردوسی نے نہایت خوبی سے پڑھا۔ پھر محمود نے پوچھا۔ تیرا وطن کہاں ہے؟ عرض کیا۔ طوس! فرمایا۔ طوس کسے آباد کیا؟ فردوسی نے اسپر تاریخ طوس بیان کر دی۔ سلطان بہت خوش ہوا۔ اور روزانہ حاضری کے واسطے حکم دیا۔

دوسرے دن دربار میں فردوسی نے یہ اشعار پڑھے۔

چو خورشید ہر گاہ بنودرتاج	زمین شد بگردار تابندہ علاج
چو گوئی کہ خورشید تابان بود	کز دور جہان روشنائی فرود
ابو القاسم آن شاہ فیہ تخت	نہاد از بر تاج خورشید تخت
ز فاور بیار بہت ناباختہ	پدید آمد از فرستہ او کان زہ
مراختہ رختہ بیدار گشت	بمغز اندر اندیشہ بگشت
چو دستم آمد ز بان سخن	کنون نوشو روزگار کہن
بر اندیشہ شہر یار بر سین	بختم شبے دل پر از آفرین
دل من چو نور اندرین شہب	تختہ کشادہ دل بسبب

چنان دید روشن روانم خواب
کہ زخشنده شمع بر آمد ز آب
ہمہ روستے گیتی شب لاچورد
از ان شمع شستی چو نایوت بند

تمام دربار مرہباً کہہ اٹھا۔ سب سے زیادہ حفصی بیتاب ہو گیا۔ دوڑ کر فردوسی کے لبون پر بوسہ دیا۔ ہاتھ چومے اور فی البدیہہ یہ اشعار تعریف میں پڑھے۔

سخن گر چہ آمد ز چرخ لبند
تو بارش بر آن بردی ای شو مند
تو داوی درین عرصہ داد سخن
کہ بادی ستودہ بہر آگسین
نمودہ ہنر عفریت بے شمس
باند چو نامت سخن یادگار
تو شاہنشہ ملک نظم روی
دینت بہ پیشت کر عفتی

سلطانی حکم فردوسی ہی کو تاریخ نظم کرینکا ہوا۔ سلطان محمود نہایت منکر فرج اور قدر دان بادشاہ تھا۔ انکساری کا ہر پہ کہ فردوسی سے معذرت چاہی۔ ورنہ بادشاہوں خصوصاً سلطان محمود سے عظیم الشان اور اُو العزم بادشاہ کو کیا عرض پڑھی تھی جو کسی شاعر سے معافی چاہتا۔

ایک دن چند اشعار سلطان نے ایاز کی تعریف میں پڑھے اور چاہا کہ اور شعرا بھی ایاز کی توصیف میں کچھ کہیں۔ بھلا کس کی مجال تھی کہ فردوسی کے سامنے دم مار سکتا۔ سب نے متفق لفظ اسی کی طرف اشارہ کیا۔ فردوسی نے یہ دو بیتیں فی البدیہہ عرض کیں۔

سنت تا چشم تو و تیر بدست
بس کس کہ ز تیر چشم بست و نوبت
گر پوشد عارضت ز رہ غدیرت
کز تیر نہ ترسد ہم کس خاصہ بست

یہ دو بیتیں سلطان کو اتنی اچھی معلوم ہوئیں کہ وہ نہایت سرگمانہ الفاظ میں گویا ہوا۔

” اللہ درک یا فردوسی کہ مجلس مارا چون فردوس منور ساختی۔“
 ایک عظیم الشان حکمران کی زبان سے یہ الفاظ بہت بڑا پایہ رکھتے ہیں۔ اور اس سے
 ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کس درجہ قدر شناس تھا۔ سلطان نے حکم دیا کہ فلان محل جو ہماری اجا
 کے قریب ہے فردوسی کے واسطے آراستہ کیا جائے۔ فردوسی نے یہ بھی خواہش ظاہر
 کی کہ اُس جگہ سب آلات حرب اور شاہان ہستان ایران کی قد آدم تصویرین بھی
 کی جائیں۔ سلطان نے حسن مہندی وزیر کو حکم دیا کہ فاضل شاعر کی ہر خواہش پوری کی جائے
 اب فردوسی شاہنامہ تصنیف کرنے بیٹھا۔ سوائے آیار حسن مہندی اور چند خدمتگاران
 کے اور کوئی جانے نہ پاتا تھا۔

آیا ز فردوسی کو باپ کہا کرتا تھا اور فردوسی بھی اوس سے بیٹوں کی طرح محبت کرتا
 تھا۔ سلطان نے حکم دیدیا تھا کہ جب ہزار بیت ختم ہو جائیں فوراً ہزار اشرفیان دیدی جائے
 کریں۔ یہ ہزار اشرفیان وہ تھیں جو تنخواہ اور اجرت تصنیف کے علاوہ بطور انعام دے
 جانے کا حکم تھا۔ اس طرح فردوسی نے ۳۵ برس کی محنت میں ساٹھ ہزار شعر پر شاہ نامہ ختم
 کیا۔ اس ۳۵ برس میں سلطان کے دل پر حسن مہندی اور دیگر مخالفین نے مخالفت کے
 سکے جمائے۔ مگر عقلمند اور فیاض محمود پر ذرا اثر نہ ہوا۔

غرض جب شاہ نامہ مکمل ہو گیا۔ تو سلطان نے حکم دیا کہ ساٹھ ہزار اشرفیان فردوسی کو
 دیدی جائیں۔ اسکے علاوہ اور انعام و اکرام سے خلعت وغیرہ علیحدہ دربار میں عطا ہوگا۔
 پھر سلطان نے نہایت جوش میں کہا۔ ” از ابتدا سے بطور صناعت شعر تا کنون کسے
 بدین طرز و اسلوب سخن خوب نغمتہ و بیج جو اسہر لالی کلام موزون بدین طرز نہ شنفتندہ۔“
 کہ گوید چنین نظم چون در روں کہ گوید چوں فردوسی اندر جهان

رسید صیت لطفش پہ چرخ بلند
 زانفاں اولوی جان مے دہد
 در آبن دم کہ تیغ زبان برشید
 بیدان دانش چو آن سلین
 کہ گفتہ است نظمے نغمین آہنہ
 ز ترکیدش آب روان مے چکد
 صفت جملہ شاعران بر درید
 ندیدیم نظم آورد تیغ زن
 کون پیوارش دہم گنج زر
 پیشم چو کینود گنج گم

یہ سنکر خواجہ حسن میندی ناموش ہو رہا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سلطانی حکم کے واسطے مستعد ہے۔ سلطان کو یہ سکوت ناگوار گذرا۔ دریافت کیا۔ خواجہ نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور کے نزدیک یہ غلطیہ تو ذرہ کی برابر بھی وقعت نہیں رکھتا۔ مگر جب فردوسی کے پاس پہنچنے گا تو وہ ضرور شادی مرگ ہو جائیگا۔ سلطان نے جواب دیا کہ وہ ایسا عالی ظرف ہو کہ یہ قلیں سونا اسے موت کے دروازہ تک نہیں پہنچا سکتا۔

خواجہ صاحب نے دیکھا کہ یہ دانوں بھی نہ چلا۔ عرض کیا۔ اچھا حضور پہلے ساٹھ ہزار روپہ بھیج دیجئے۔ بعد ازاں اشرفیان دیجئے۔ سلطان نے بھی کچھ سوچ کر منظور کیا۔ اور ساٹھ ہزار روپہ ایاز کے ہاتھ بھجوا دئے۔ فردوسی حمام سے نکلتا تھا کہ ایاز نے پوچھ پیش کیا۔ اس نے نہایت افسوس سے کہا کہ میری ۵۳ برس کی محنت کی سلطان نے اچھی قدر افزائی کی۔ ساٹھ ہزار اشرفیوں کی بجائے ساٹھ ہزار روپہ دئے۔ ایاز نے حسن میندی کی تمام شہرت بیان کی۔ فردوسی نے سر جاپس ہزار ایاز کو دئے اور ۵۳ ہزار کا ایک پیالہ شربت لیکر پی گیا۔ اور نہایت غمگین لہجے میں کہا کہ سلطان سے جا کر عرض کر دو کہ اس قدر جو میں نے محنت کی اوسکا معاوضہ صرف اتنا ہی تجویز کیا گیا ۵۳ برس کی جانچا ہی کی قدر دانی کلہم ۴۰ ہزار روپہ۔ اگر ایسا ہی سخیل خزان میں تھا تو گا ہنگو

یہ روپے بھی بیچے۔

ایاز یہ تقریر سنکر نہایت افسردہ ہوا اور اُس نے جا کر سلطان سے عرض کر دیا۔
 سلطان نے حسن ہیندی کو بلا کر گرم گرم الفاظ میں کہا۔ "اے مفہ بواسطہ این حرکت
 عرض مارا عرضہ فوج و تشریب شعرا ساختی۔ و بانواع نکوش و ندام در زبان آن طایفہ
 انداختی۔"

بات بنا دینا تو حسن ہیندی کے بائیں ہاتھ کا کام تھا عرض کیا۔ "صلہ بادشاہان از کیدم
 تا صد درم مساوی ست۔ اگر شت خاک از حضرت سلطان بد و فرستادند بابتی
 کہ از روے اغراز و اکرام انرا بجاسے جواہر در باصرہ کشیدے۔ و بساط رفعت
 و حماقت بسببچہ ادب کیا ست در نوز دیدے۔"

سلطان پر اس تقریر نے جاوہ کا کام کیا۔ اور وہ سمجھ گیا کہ فرود سی سخت گستاخ اور
 بے ادب ہے۔ کہا۔ "آن قرمطی را با داد در باے پیل اندازم و عقوبت اور عبرت
 سار بے ادبان سازم۔"

ایاز نے فوراً یہ خبر فرود سی کو پہنچائی اور کہا خیر اس میں ہے کہ صحیح کو سلطان کے فرود
 گر کے خوف تفسیر کرالے۔ ورنہ تیرا سر اور ہاتھی کا پیر ہوگا۔ دوسرے دن فرود سی
 نے یہ ہی کیا کہ جب سلطان فجر کی نماز پڑھ کر بلخ میں ٹہل رہا تھا اپنی جاے قیام پر
 نکلک جو سلطانی سیرگاہ کے قریب تھی محمود کے قدموں پر گر پڑا۔ اور کہنے لگا۔

"تاسدیان در حضرت بادشاہ چنان عرض کردہ اند کہ بندہ از قرمطہ در واقعہ ست
 تھا کہ ظلاف نموده اند۔ این بندہ رایکے از ان طوائف شمارند و خطاب قتل داربت
 روح از جان ناتوان بردارند۔"

چو در ملک سلطان کہ خوش ستود
بے بہت نرسا و گبر و یہود
کز ایشان جب زیہ کفایت
زرو مال خون شان حمایت کنند
گرفتند در غسل عیش قرار
شد دامن از گردش روزگار
چہ باشد کہ سلطان گردون شکوہ
ز سہ را نثار دیکے از گروہ

سلطان محمود کے عہدہ پر پھر اوسکی قدر دانی نے غلبہ کیا اور تمام غضب فرو ہو گیا۔ اوجھا
فردوسی کو گلے لگا لیا اور کہا جو سختی تیرے ساتھ ہوئی ہے اوسکی معافی چاہتا ہوں۔
اور جو بے ادبی تو نے کی ہے اوسکو معاف کرتا ہوں۔ فردوسی اپنے قیام گاہ پر
واپس آیا اور دلمین سوچا کہ یہاں کا کچھ اعتبار نہیں۔ ذرا سی دیر میں تو لہ ذرا سی
دیر میں ماشہ۔ سلطان کے فراموش کیا ٹھیک۔ گاہے بہ سلا مے بر خند گاہے
پدشنامے خلعت دہند۔ نہایت بیج اور افسوس کے ساتھ کئی ہزار شعر جو شاہنامہ
میں شامل نہ کئے تھے پھاڑ کر جلادے اور ابا کو ایک لفافہ دیکر ہدایت کردی کہ
میں دن کے بعد سلطان کی خدمت میں پیش کر دینا۔ اور آپ بادل ناخواستہ
رات کے وقت چل دیا۔ جامع سجد غنی میں دیوار پر یہ دو بیتیں جاتے وقت لکھے گیا۔

خجستہ در کہ محمود ذو آبی دریا
چگونہ دریا کا نرا کرانہ پیدائیت
سپہ غولہ از دم مازین نزدیکم
گناہ بخت نستان گناہ در پائیت
میں دن کے بعد ایا نے فردوسی کا لفافہ سلطان کی خدمت میں پیش کیا کہ مول کرد
تو لکھا ہوا تھا۔

ز کس گرنہ تری بہ ترس از خدا
مہمہ تاجداران گہبان مبدند

ایا شاہ محمود کشور شایے
کہ پیش از تو شان مردان

اگر شاہ را شاہ بودے پدر بسر برنهادے مراتج زر
 شعر تو بہت مین مگر خوف طالت اتنے پر ہی اکتفا کیا گیا۔
 غزنی سے بچنے کے بعد فردوسی جا بجا پھرتا رہا۔ مگر جہاں گیا اوسکی کمال نے قدر
 کرائی۔ آخر بعد اوشرف مین خلیفہ کے یہاں نہایت عزت اور حرمت سے رہو لگا
 اور بقیہ عمر مین بسر کر نیکا ارادہ کیا۔

اسکے بعد بڑے جگرے تفتی ہوئے۔ آخر سلطان محمود انار اشد برانے نے سکی
 محنت اور ۳۵ برس کی جانکا ہی کو یاد کر کے ساٹھ ہزار اشرفیان مہ معذرت نامہ کے
 بھیجیں۔ اشرفیوں سے پہلے معذرت نامہ پہنچ گیا۔ فردوسی نے خدا کا شکر ادا کیا۔
 ابھی زرموعود کے آنے مین چند روز باقی تھے کہ فردوسی ایک شاہراہ پر جا رہا تھا
 جہاں اسے ایک بچے کی زبانی یہ شعر سنا۔ جو نہایت جوش و خروش مین پڑتا چلا
 جا رہا تھا۔

اگر شاہ را شاہ بودے پدر بسر برنهادے مراتج زر
 سنے ہی فردوسی کے دل پر ایک گونہ لگا۔ تمام عمر زین اور بسلوکی جو سلطان
 ہاتھ اوتھانی نہیں یاد آگئیں۔ دماغ پر ایسا اثر ہوا کہ بیہوش ہو گیا۔ بمشکل ایک
 دن جیا۔ نھلا دھولا کر دفن کرنے چلے تھے کہ اشرفیان پہنچیں۔

کی مرے بعد گریں نے بھاسو توبہ ماسے اس زودوشپیان کا پشیمان ہونا

وہ اشرفیان مرحوم شاعر کی بہن کو دیدی گئیں۔ جس نے اپنے بھائی کا عظیم الشان
 مقبرہ بنا لیا۔ اور گرد اوس کے بچہ نہر ہوا دی۔ حکیم ناصر خسرو علوی کے زمانہ تک
 وہ مقبرہ موجود تھا۔ اس عظیم الشان شاعر کی زندگی یوں ختم ہوئی۔

۳۳
 انتخاب از شاهنامه

(The Garden of the daughters of Afrasiab)

Look forth, companions, cast afar your eyes

Where yonder many-colored plain extends:

Ah! in my breast what sweet emotions rise!

Behold how each soft charm of nature

Into one glorious whole, - grove, mead, and ^{blends} stream,

As fit abode for heroes it might seem!

The tender silken grass invites the tread;

With musky odour breathes the fan ⁱⁿ⁻ _{gait,}

Pure waters glide along their perfumed bed,

As though the rose gave them the essence rare;

The lily stalk bends with her fragrant ^{flower,}

The lustre of the rose glads every bower.

The pleasant walks with graceful pace ^{along,}

Soft doves and mournful nightingales ^{are} _{night,}

Charming the silence with a mingled ^{song,}

And murmurs from the cypress-boughs ^{reply-}

Oh! never, never, - long as time shall last, -

May shadows o'er these beautiful scenes be cast,
 Still may they in eternal splendour glow,
 And be like Paradise, as they are now!

There, in gay groups, beneath the trees, beside
 Those streams that through the vales in music
 glide,
 Lovely as fairies, beautiful as day,
 Are maids who wander on in sportive play.
 Afrasiab's daughter there, Manizha bright,
 Make the whole garden - like the sun - all
 light.
 Not less majestic, midst the graceful throng,
 Her sister, fair Zittara, sweet and young!
 She decks the plain with beauty as she goes,
 Before her shrink, ashamed, the jasmine and
 the rose.
 And there are Turkish maids that near them
 rove,
 With forms like cypress-boughs that zepher's
 move,
 Locks dark as musk, - and see! each veil
 disclose
 Eyes filled with sleep, and cheeks all full
 of roses!
 Shall we not, friends, turn for a single
 day,
 Check for so great prize, our onward way?

Stead to those bowers, make the bright
 nymphs sorrow,
 And bring the lovely prey to Khosrou's throne.

خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی

مغز شعراے عجم میں خواجہ حافظ شیرازی بہ اپنی سحر بانی اور شیرین کلامی کی وجہ سے
 بلند پایہ گئے جاتے ہیں یہ وہ شخص ہیں جنکے مبارک نام کو یورپین بڑی غرت سے

سراہتے اور پرنس آف لائیک پوٹیس (PRINCE OF LYRIC POETS) کا

خطاب دیتے ہیں۔ قبولیت کلام کے واسطے یہ ہی کافی ہے کہ حضرت کے دیوان کا

انگریزی۔ فرانسیسی۔ جرمنی۔ اسپینی۔ لاطینی۔ ترکی وغیرہ میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

اور ان زبانوں کے جاننے والے نہایت شوق سے آپ کی غزوں کا مطالعہ

کرتے ہیں۔ تیسرولیم جوئس مترجم دیوان حافظ و بیاجہ میں رقم فرماتے ہیں۔

”میں نے مشرقی زبانوں کے حاصل کرنے میں خوب ہی کوشش کی اور فارسی زبان

کے مصنفین کے کلام اور تصانیف کو اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا لیکن جو حالات

خواجہ حافظ شیرازی کے کلام میں پائی اودسی کے کلام میں اتنا لطف نہیں آیا۔

خواجہ صاحب کے دیوان کی تعریف کرنے سے میرا یہ منشا نہیں ہے کہ میں اور شعرا

عجم کو اوندکے آگے بیچ سمجھتا ہوں۔ نہیں بلکہ حافظ چاند اور باقی سب ستارے

ہیں۔“ روزگارڈن آف پرشیا میں سٹراسٹوارٹ فرماتے ہیں۔ ”بیسیگی

خواجہ حافظ رو کے ایک معمولی شعر میں ہر دنیا بھر میں کسی شاعر کی عمدہ عمدہ پوری
غزل میں بھی نہیں ہے

خواجہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۳۹ عیسوی کے جنوری مہینے میں فارس کے شہر شیراز
میں پیدا ہوئے۔ ابتدا سے انتہا تک فقر کے طوبی پر بسر کی۔ کبھی کسی امیر
یا بادشاہ کے پاس جیسا اکثر شعرا کا دستور ہی سوا اے شاعر شاہزادہ یزد کے نہیں گئے
شہزادہ اپنی خوبوئی وجہ سے ایسا مشہور تھا کہ حافظ رو اوس سے محبت کرتے تھے
اور وہ بھی مثل فرمانبردار خادموں کے اطاعت کرتا تھا۔ خواجہ صاحب کا انتقال
۱۳۹۱ ہجری مطابق ۱۳۳۹ عیسوی میں ہوا۔ آپ کا فرار شیراز میں محلہ رکن آباد

مصلے کے قریب ہے۔ جیسا آگے اس شعر سے ظاہر ہے

بہ ساقی و باقی کہ در حجت نخواہی یافت
کنار آب رکن آباد و گلگشت مصلے را
تاریخ انتقال کسی صاحب نے لکھی ہے مگر نام تحقیق نوسکا۔

پس راع اہل معنی خواجہ حافظ
چو در خاک مصلی یافت منزل
کہ شمع بود از نور تجلی
بجو تارخیش از خاک مصلی

خواجہ صاحب کے کلام کو بعض اشخاص جنکی سمجھ میں یا تو مطلب نہیں آتا ہی یا اور کسی وجہ
نہ پسند کرتے ہیں۔ زیادہ تر نہ سمجھنے کی وجہ ہے۔ اور ایک کثیر گروہ جس میں یورپین
اور ایشیائی ہیں بھی پسند کرتا ہی۔ انگریزوں کے یہاں شیکسپیر اور ملٹن دو آہستہ
زبردست اور قادر الکلام شاعر گذرے ہیں جنکی برابر انگلستان آج تک پیدا
نہیں کر سکا۔ لیکن خواجہ حافظ کے کلام کے آگے وہ طفل مکتب ہیں۔ خواجہ صاحب
کا دیوان تمام مہذب یورپین زبانوں میں موجود ہے۔ مسٹر کاسٹینو اور ریولی

لکھتے ہیں کہ حافظ رح کی یہ غزل ۷

مطب خوش نوا بگو تازہ بتازہ نونو

بہترین کو یاد ہے۔ خصوصاً مطربوں کو۔ انگریز اور فرنگیوں نے کبھی کبھی بلا
کی سحر بیانی حافظ رح کے کلام میں آگئی ہے۔ مسز سنوارت لکھتے ہیں کہ مسوقت حیل

اگر آن ترک شیرازی بہت آرد دل مارا بخال ہندوئن چشم سمرقند و بخارا

مشہور ہوئی تو امیر تیمور نے دیکھی اور خواجہ صاحب کو بلا کر کہا کیوں جناب میں نے
تو کس محنت و مشقت سے بخارا۔ سمرقند فتح کیا اور آپ نے ایک تل پر بحث کیا۔

حافظ صاحب نے جربہ جواب دیا کہ جناب ایسی ہی فیاضی سے تو میں نان شبینہ
تک کو محتاج ہو گیا۔

شیراز سے توڑے فاصلہ پر ایک مقام پیرسبز ہے۔ مشہور تھا کہ چالیس شب
تک متوازی جو شخص یہاں عبادت کر لگا وہ دلی کامل ہو جائے گا۔ خواجہ صاحب نے
آزمائے کا ارادہ کیا۔ اسی زمانہ میں آپ ایک خوبصورت نازنین شلخ نبات کے
عشق میں مبتلا تھے مثل فراد کے شہزادہ شیراز بھی آپ کا رقیب تھا۔ دن بھر کو چہ
جانان کی خاک پہانتے اور رات کو پیرسبز پر عبادت کرتے۔ اونٹالیوں میں
ایک بزرگ سبز خیمہ پہنے نشتر لاسے اور ایک پیالہ آپ کے منہ سے لگا دیا او
غائب ہو گئے۔ ۳۰ ویں وقت سے عشق حقیقی غالب ہوا۔ دنیا نظر میں بیچ معلوم
ہونے لگی۔ تمام خیالات جاتے رہے اور جب ہی سے آپ نے شاعری شروع کی۔

زمانہ کی حالت کیا خوب بیان فرماتے ہیں۔ ۷

ابن چہ شوریت کہ بد دور قمری بنیم * ہمہ آفاق ز پر فتنہ و شرے بنیم

دختران را ہمہ جنگست و جدان باور
 پنج شفقت نہ برادر برچادر دارد
 ابھمان را ہمہ شربت ز کلاب و قندست
 اسب تازی شدہ مجروح بزیر پالان
 ہر کسے روز بھی سے طلبہ از ایام
 مرزا محمد علی صاحب نے اسی مضمون کو یوں لکھا ہے۔

پسران را ہمہ برخواہ پدر سے بیسم
 پنج مہر سے نہ پدر را پسر بیسم
 فوٹ دانا ہمہ از خون جگر سے بیسم
 طوق زین ہمہ در گردن خر سے بیسم
 مشکل این ست کہ ہر روز بہتر سے بیسم

یک نفس فارع ز سواں و تنانستی
 گر چہ شد حمان مینک دیدہ و شرم تو
 میکند از ہر سر موت سفیدی را و گ
 گر چہ دندان را ز نعمتہا شیرین تاختی

از پریشان خاطرے یک غلطی کجاستی
 ہم چنان چون کوکان سیر از زمان تاجی
 در چنین وقتے بفرک زاد حقے نیستی
 جز بجر ف شکوہا سے تلخ گو یا نیستی

لاہور کے ایک صاحب نشی محمد الدین خلیق نے حیات زیب النساء میں خواجہ حافظ
 اور محضی کے کلام کا مقابلہ کیا ہے اور دکھلایا ہے کہ محضی کا کلام آپ کے کلام کی برابر ہے۔ نہیں معلوم
 او بخون نے یہ کیسے لکھ دیا۔ ہم ایک غزل محضی اور دوسری خواجہ حافظ کی درج کرتے
 ہیں خود ناظرین انصاف کر سکتے ہیں۔ محضی کا کلام بہت اچھا ہے مگر نہ آپ کی برابر۔

(محضی)

دروغا آئین و رسم دوستداران را چہ شد
 روز نو میدی نڈ پر سد حال من کسے
 ظلم و بیدادی درین دنیا کو دون حد
 و گلستان امیدم یکے گلے سیر نیست

من اگر دیوانہ گشتہم ہوشیاران را چہ شد
 ہم نشینا نام کجا رفتند و یاران را چہ شد
 منجھنق جہنم و طرز سنگ باران را چہ شد
 تازہ کاریہای ایام ہب اران را چہ شد

از زمین دل نئے روید گیاه نمے
 نسبت مجوسے کہ یابد رونق بازار مشق
 از صحبت ناله وزاری نئے آید گوش

ابر رحمت را چه پیش آمد بهاران را چه شد
 طره شبگون و حسن گلنزاران را چه شد
 مخفیاً خارا شکاف کو بهاران را چه شد

(حافظی)

باری اندر کس نے بیسیم باریان را چه شد
 آب حیوان تیره گونش ز خضر فرخ کی کجاست
 صد بهاران گل شگفت و باک منم غم بر نحو است
 لعل از کان مروت بر نہ آید ساہماست
 زہرہ ساز خود نمی گیسرد و مگر عودش چیست
 کس نے گوید کہ بارے دشت حق دکتی
 گوئی توفیق و سعادت در میان فگندہ اند
 حافظ اسرار الہی کس نے دانہ خوش

دوستی کو آخر آمد دوستداران را چه شد
 خون چکبید از شاخ گل باد بہاران را چه شد
 عند لیبان را چه پیش آہ بہاران را چه شد
 تائبش خورشید و سعی ابر باران را چه شد
 کس نہ ارد شوق مستی مے گساران را چه شد
 حق شناسان را چه حال افتاد باریان را چه شد
 کس بسیدان رونے آرد سواران را چه شد
 از کہ مے پرسی کہ دور روزگار ان را چه شد

(قطعہ)

سال و فال مال و حال و صل و نسل و نجات و
 سال خرم خال نیکو مال وافر حال خوش

بادت اندر ہر دو گیتی بر سرار و بردوام
 اس ثابت نسل باقی تخت عالی تخت عالم

(رباعیات)

جز کوی تو در نظر نیاید مارا
 خوش آمدہ خواب مجاہد را در دیدہ
 جز کوی تو رہ گذر نیاید مارا
 حقا کہ بچشم در نیاید مارا

دیگر

بہمان زرقیب سفلیہ ستیز و بیا
بش تو از من اسے نگار و بر خیز و بیا

گر بے شراب طرب اُمیر و بیا
مشنو سخن خصم کہ فشین و مرد

دیگر

ہر غمزدہ مست و خواب اولے تر
در جاے خواب ہم خواب اولے تر

ایام شباب بہت و شراب اولے تر
عالم ہمہ سلب بر خواب بہت خراب

قصیدہ

شادمان کردی مرا تا زم ترا ستر تا دم
ز آنکہ شرح آرزو مندی نیاید در شکم
نالہ شبگیر در کارست و آہ صبح دم
خوش نگہ کن بادہ در جامست و مجلس منہم
مہرہ نتوان بر آسان ای دل فسونی بد
لالہ و گل دان ہمہ خار بیابان جسم
یار باز آمد بجد اللہ عزیز و محترم
نوک کلک خواجہ بر نشور حافظ زور قسم
بدر آفاق علی عون الوری غوث الامم
جو ہر عدل مسیاست غنیر لطف و کرم
ماچی آثار طعنائی مشاطہ ظلم و ستم
دارد این قصر معلی نقش تاریخ و تہم

خیر مقدم در جا سے طاہر میون قوم
میکنم در بچہ تو انجم آواز نیاز
تا بدانی تو کہ بچران خون عاشق میخورد
صحبت عشاق بدنامست کند زاہد برو
گر چنین در حلقہ بچہ زلف افسی بند بیا
گر حرم کعبہ خواہی وان جمال بے نقاب
آن گزشت اسے دل کہ خواری دیدار دوست
ساقی امی وہ کہ زندیہای حافظ سو کرد
خواجہ تران شاہ عادل دل جلال ملک دین
کان مروی و مروت معدن صدق و صفا
راضی اوصناع بدعت تا صرا علام دین
آسانت موضع دولت نہ اکنون بہت پس

خفته بدگردون هنوز اندر شبستان
 هر که اول شکند فیروز گرد و لاجرم
 همت ارباب دل باست ارباب کبم
 بنده یارب کے تواند کرد و شکر این نعم
 درد نوسن درد بودم بانیمان ندم
 علم آصف دیده باشد سالها در جاتم
 این دعا بر نفس جان گشت از دل جان فرم

بخت بیدارت چو مرآد معجز است وجود
 قلب بدخواهان شکست احوال با بر جانی
 بان نہ پنداری کہ تنها میزنی بر قلبم
 شرح احوال تو لاحق بوالعجائب فقریست
 تا لہم معجز بود از خاک بوس دگمت
 باشما اخلاص ہر یک حاجت تقریریت
 تا جہان باشد بر نیکی در جہانت با دنام

انتخاب از دیوان حافظ

THE FEAST OF SPRING.

*My breast is filled with roses,
 My cup is crown'd with wines;
 And by my side reposes.
 The maid I hail as mine.
 The monarch, where so'er he be,
 Is but a slave compared to me!*

*There glare no torches throwing,
 Shall in our bower be found;*

Her eyes, like moon-beams glowing,
 Cast light enough around:
 And well all odours I can spare,
 Who sent the perfume of her hair.

The honey-dew thy charm might borrow,
 Thy lips alone to me is sweat;
 When thou art absent, faint with sorrow,
 I hide me in some lone retreat.
 Why talk to me of power or fame,
 What are those idle toys to me?
 Why ask the praises of my name;
 My joy, my triumph is in thee!

How blest am I! around me, swelling,
 The notes of melody arise;
 I hold the cup, with juice excelling
 And gaze upon thy radiant eyes.
 Oh Hafiz!—never waste thy hours,

Without the cup, the lute, and love!
 For 'tis the sweetest time of flowers,
 And none these moments shall reprove.
 The nightangles around thee sing,
 It is the Joyous feast of Spring.

(The Season of the roses.)

String the lyre! — has Fortune ever
 Given to men of worth their due?
 Then, since vain is all endeavour,
 And we scorn her malice too,
 Why should we refuse to share
 All the joys these hours prepare?
 Now the air is filled with mirth;
 Now the roses spring from the earth;
 Now they blown, but now alone, —
 Fear not, though the wise reprove;
 Ere their soft perfume be gone,
 Raise the soul to verse and love.
 Oh Hafiz! it were shame to say,

— In right angles like us, 'twere treason;
That we, who make the magic lay,
Sang not to the rose's season.

مولانا جلال الدین محمد رومی سمرہ

ایشیائی شاعری اور تصوف کے دربار میں مولانا جلال الدین محمد رومی اگر مولانا نظامی جامی - حافظ رحمۃ اللہ علیہم کی برابر بٹھایا جائے تو بجا ہے۔ مولانا بلخ صوبہ خراسان میں پیدا ہوئے۔ آپ کے پدر بزرگوار کا اسم مبارک مولانا بہاؤ الدین تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ جب خراسان کے تخت حکومت پر خوارزم شاہ ساز بردست حکمران برقع رہا تھا۔ مولانا کے والد خراسان کے زبردست اور صوفیاء عظام میں سے تھے۔ فارس کے اطراف کے لوگ آپ کے وعظ و نصیحت کے شائق ہو کر آیا کرتے تھے آپ کا انتقال ۶۳۱ ہجری میں ہوا۔ بعد انتقال مولانا جلال الدین محمد رومی قدس سرہ سجادہ نشین ہوئے۔ آپ جیسے قادر الکلامی اور شاعری میں مشہور تھے ویسے ہی تصوف اور اسرار الہی میں اپنے والد کے قدم بقدم الولد سمر لابیہ کے مصداق تھے بائیں مختصر اور کم کیا کرتے تھے۔ آپ شباب کے زمانہ میں اپنے والد ماجد کے ساتھ شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ نہایت صحبت سے حضرت شیخ نے آپ کے حق میں دعا کی۔ آپ مولانا شمس الدین تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید بن اور مرید بھی کیسے اعلیٰ پایہ کے۔ مولوی محمد کبیر صاحب تاریخ تذکرہ الکرام

میں لکھتے ہیں کہ جب مولانا شمس الدین تبریزی بلخ میں وارد ہوئے۔ مولانا رومی چونکہ خود صاحبِ باطن اور مولانا شمس الدین کو پہچاننے والے تھے اس لئے ہر وقت ساتھ رہا کرتے تھے۔ لوگوں نے حضرت شمس کی ظاہری خستہ حالت دیکھ کر عمرآن کیا کہ مسلمانوں کے قاضی کو ایک غیر متشرع شخص کے ساتھ نہ رہنا چاہیے چنانچہ چند بد باطنوں نے جنمیں مولانا رومی کا لڑکا بھی تھا حضرت شمس کے شہب کرنے کا ارادہ کیا۔ اور مولانا کے دولت خانہ پر جمع ہو کر آئے۔ آپ کو ٹھہری میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ ان لمبختوں میں سے ایک نے آواز دی۔ حضرت شمس نے فرمایا کہ مجھے شہید کرنے کو بلا تے ہیں۔ اوداع۔ جون ہی باہر تشریف لائے ایک شخص نے چھری ماری۔ آپکے منہ سے نعرہ نکلا وہ سب مردوں ازلی ہیوش ہو گئے۔ کچھ دیر کے بعد جب افاقہ ہوا تو دیکھا کہ سولے چند قطرہ خون کے اور کچھ نہیں۔ مولانا روم نے بیٹے کے حق میں بد دعا کی اور اس کے جنازہ میں بھی نہیں شریک ہوئے۔ مولانا روم کا کلام نہایت درجہ لطیف اور دلچسپ ہے۔

مشرقی زبانوں کے عالم سرولیم جنس لکھتے ہیں ”مولانا روم کا کلام ایسا دقیق اور تصوف سے بھرا ہوا ہے کہ سوائے حافظہ کے اور کسی کو برابری کی غرت نہیں دیا جاسکتی۔“

مولانا نے اپنے پیر کی بہت تعریف کی ہے چنانچہ مندرجہ ذیل غزل میں بھی عتاب رکھی ہے۔

غزل

ذائقِ عاشقِ دارم پئے دیدارِ سیرگرم

نہ من بہیودہ در ہر کوچہ و بازارِ سیرگرم

شراب شوق مے نوشم گرد یار میگروم
 ہزاران غوطھا خوردم درین دریا بپایا
 سخن مستانہ میگویم ولے ہمشیار میگروم
 برای گوہر معنی بدریا قعر مے گردوم
 غلام شمس تبریزم قلم در وار میگروم
 کیسے صوفیانہ رنگ مین ڈوبے ہوئے اشعار ہیں۔ اسپر شاہ معین الدین صاحب
 خاموش حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر فرمائی ہے۔

پریر و کا ہو اسودا پریشان حال ہونوم
 جو جی پاہے سو کہتی ہوجھے مخلوق اور عالم
 متلع دل دیا ہون مین کیونچل مرانم
 نہ من بیہودہ در ہر کوجہ و بازار میگروم
 مذاق عاشقی دارم پئے دیدار میگروم

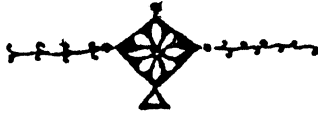
نہ شادی کی مجھ شادی مرنیکا مجھ کچھ غم
 مرانو سجد گاہ اس ابروی لدار کا ہوسم
 محبت کا مین بندہ ہون مرستی کا ہوعالم
 شراب شوق مے نوشم گرد یار میگروم
 سخن مستانہ میگویم ولے ہمشیار میگروم

بچھوڑا بجر کو ہرگز ہوا گو بہتیرا سرگردان
 کبھی اللہ بھریگا در مقصود سے دامان
 خدا بس اپنا حافظ ہوی اگر ہوجع اور طوفان
 ہزاران غوطھا خوردم درین دریا بپایا
 برائے گوہر معنی بدریا قعر مے گردوم

برا ہون مین تو ہون تیرا بھلا نہون تو ہون تیرا
 مین اب خاموش بیٹھا ہون بان سو کہہ نہکتا
 وسیلہ کچھ نہیں مجھ کو سوا تیری مرے مولا
 بیاشا اعنایت کن تو مولانا یارومی را
 غلام شمس تبریزم قلم در وار میگروم

مولانا صاحب شتوی شریف مین کیا وجد انگیز فرماتے ہیں۔
 لہذا زبانی چون حکایت میکند
 و ز جہاں ہا شکایت میکند

وز نفیرم مردوزن تالیدہ اند	کز نیستان نامر اسبریدہ اند
تا نگویم شرح درد اشتیاق	سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق
باز جوید روزگار و صفت خویش	ہر کسے کو دور باشد ماند از اصل خویش
بفت خوش حالان بد حالان شوم	من بہر جمعیتے نالان شدم
وز درون من نخبست اسرار من	ہر کسے از ظن خود شد یار من



انتخاب از کلیات
The fairest Land

"Tell me, gentle traveller, thou
 Who hast wandered far and wide,
 Seen the brightest rivers glide;
 Say, of all thine eyes have seen,
 Which the fairest land have been"
 "Lady, shall I tell thee where,
 Nature seems most blest and fair,
 Far above all chimes beside?
 'Til where those we love abide:
 And that little^{one} is best.

Which the loved one's foot hath pressed,
 "Though it be a fairy space,
 Wide and spreading, is the place;
 Though 'twere but a barren mound,
 "I would become enchanted ground.
 "With thee you sandy waste would seem,
 The margin of Al Cather's stream;
 And thou canst make a dungeon's gloom
 A bower where new-born roses bloom."

مولانا عبد الرحمن جامی قدس سرہ

حضرت یوسفؑ و زلیخا کے عشق و محبت کی کہانی لکھنے میں اکثر شعرا نے طبع آزمائی کی ہے لیکن جو خداداد فصاحت - دلچسپی اور اثر مولانا جامی کی یوسف و زلیخا میں ہے وہ کسی کو پاسنگ برابر بھی نصیب نہیں ہوا۔ گو مولانا کا طرز فردوسی سے ملتا جلتا ہے مگر ایک بات جو مولانا میں تھی اوسکی فردوسی کو ہوا بھی نہیں لگی۔ وہ بات کیا تھی ؟ تصوف ! بھلا فردوسی کو اس سے کیا سن۔ آجکل کی تحقیقات نے تو فردوسی کو دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دیا ہے۔ خیر جو کچھ ہو مگر اوس کے کمال میں کلام میں

نرالی بندش اور نیا طرز جو او سے شاہنامہ میں برتا ہے اسکی برابری کوئی
نکر سکا۔ البتہ اس زمانہ میں غالب مرحوم نے وہ ہی رنگ اختیار کیا یعنی اپنی
قصائیف میں عربی الفاظ کو دخل نہیں دیا۔

مولانا جام مصافات خراسان میں پیدا ہوئے تصوف میں معرہ حاصل تھی
لذات دنیا سے متنفر ہو کر ریاضت اور مجاہدہ میں بیکسر کرنے تھے اور تمام سبب
دنیاوی سے قطع تعلق کر کے ہرات کی مسجد میں قیام کر لیا تھا۔ جو کوئی زیارت کا
شایق جاتا سحر بیانی سے ایسا موثر ہو جاتا کہ اسکا اثر اپنے آپ میں ہمیشہ پاتا
مولانا کا انتقال ۱۲۹۲ء میں ہوا آپ کے انتقال کا صدیہ تمام ہرات کو ہوا۔ خود
سلطان حسین فرطیہ سرا سے ہرات اور تمام وزرا و اہل راجہ آپ کے جنازہ کے ساتھ
اور ہر فرد بشر نے ہاشمی رسوم ادا کیں۔ آپکا ماتم عام طور سے ۲۰ یوم تک رہا اور
خواجہ علی شیر نے (جنکا ذکر یوسف زلیخا میں ہے) موجودگی تمام علماء و زاداؤں
کو ہرگز انامیہ کے روضہ کا پتھر بچشم ماتم رکھا۔ اب تک آپکا مزار زیارت گاہ ہے
حالانکہ انتقال فرمائے ہوئے پانچ سو برس ہوئے مگر آپکی شہرت کا آفتاب
آسمان کمال پر چمک رہا ہے آپکی قصائیف کثیر اور ضخیم ہیں۔ اکسفورڈ یونیورسٹی میں
ہمیں جلدیں اسوقت آپ کے نسخ طبع کی یادگار موجود ہیں۔ پتہ لگا یا گیا کہ سن ۱۸۵۰ء
لنداؤ میں چھپیں۔ یورپین عالموں کی کوشش سے بقیہ آثارہ جلدوں کا پتہ لگانا
بعید نہیں۔ زیادہ تر آپکی کتابیں مفائد اسلام پر ہیں ایک نہایت عمدہ دلچسپ مجموعہ
بنام ہفت اورنگ ہے۔ جس میں یوسف و زلیخا بھی شامل ہے۔ سر ولیم جونس
یوسف و زلیخا کی نسبت ارقام فرماتے ہیں ”فن نظم میں اسکا درجہ رکھنے والی اور“

صاحت میں لاجواب یہی کتاب ہے
اب ہم کچھ غزلین لکھ کر انگریزی پوسٹ زلیخا میں سے انتخاب درج کریں گے۔

غزل

یا شعاعِ شمس یا آئینہ دلہماست این
یا مگر گلہ دستہ باغِ جنان آراست این
سنبلی تر یا سنن باغبان ساراست این
یا دو بادام سیاہ یا گرس شہلاست این
یا ہلالِ عید یا ابرو سے ماہماست این
یا گلستانِ ارم یا جنتِ لکھاوست این
یا دہن یا میم یا طوطی شکر خاراست این
یا فرشتہ یا پری یا شوخ بڑ پر دہاست این
قمری باغِ جنان یا جامی شہید است این

عارضِ ست این یا قمرِ بالادہ حمیرا است این
قامتِ ست این یا الف یا سرِ پانچ ملاد
زلفِ تو زنجیر یا قلاب یا مشکِ ختن
چشمِ تو جا دوست یا آہوست یا صبا و خلق
یا رب این طاقِ ست یا محراب یا قوسِ قزح
کوی تو کعبہ است یا فردوس یا خلدِ برین
حصہ لعلِ ست یا سرِ شہدہ آبِ حیات
یا رب این خورشیدِ تابانِ ست یا ماہِ تمام
بلبلِ بے خانمان یا طوطی شیرین زبان

دیگر

بردِ ست این بارِ باہشتِ دو تا آورده ام
گرچہ از شرمندگی روی سیاہ آورده ام
ہستم آن گمرہ کہ اکنون دورِ براہ آورده ام
ابنِ ہبہ بردِ دعویِ مشقت گواہ آورده ام

یا شفیع اللہ نہیں بارگنہ آورده ام
چشمِ رحمت بر کشا موسیٰ سفید من نگر
آن سنے گویم کہ بودم ساہبا در راہ تو
عجز و بے خویشی و درویشی و دلریشی درد

زین همه بر سایه نطفت پناه آورده ام
 کرده گستاخی زبان عذر خواه آورده ام
 سو تو فردوس برین مشو گسب آوره ام

دیو برهن در کین نفس هوا اعدا دین
 گر چه روی معذرت نگذاشت گناهی مرا
 بسته ام بر یکدگر نخل ز غارستان طبع

انخاب از یوسف زلیخا

Zuleika's Dream.

The ravens of the night were hush'd.

The bird of dawn began his lay,

The rose-bud, newly awakened, blush'd

To feel the touch of springing day;

And bade the roses round unveil,

Roused by the warbling nightangle.

The jasmine stood all bathed in dew;

Wet were the violet's lids of blue.

Zuleika, fairer than the flowers,

Lay tranced - for 'twas not sleep that stole

Her senses, through the night's still hours,

And raised new visions to her soul.

The heart unfettered, free to rove,

Turned towards the idol of her love.
 No:— 'twas not sleep, 'twas motionless,
 Unbroken thought, repressed in vain;
 The shadow of the day's distress,
 A frenzy of remembered pain,
 But, midst those pangs, what rapture still;
 The same dear form is ever there;
 Those eyes the rays of Aden fill,
 And odours of the blest distil.
 From every curl of that bright hair!
 His smiles! such smiles as Houris wear,
 When from their caves of pearl they come,
 And bid the true believer share
 The pleasures of their sacred home.
 See, on his shoulder shines a star
 That glows and dazzles as he moves;
 She feels its influence afar,
 The gaxes, worships, hopes - and loves!

LULEKA'S ENTRANCE INTO MEMPHIS

Dawn upon the wide world broke,
 And the sun's warm rays awoke;
 Scattering o'er the cloudy sky

Hues of rich variety:

Such bright tinting as illumes
 With its rays the peacock's plumes,
 And the parrot's feather bright,
 Touches with a stary light.

The Asis rides in kingly guise;
 Yon curtained litter holds the prize
 More precious than all wealth beside—
 His own, his young, his peerless bride.
 Around, afar, of homage proud,
 In countless ranks his warriors crowd,
 Well may the lordly Asis boast.

The glories of his gorgeous host.
 Rich are the veils, profusely spread,
 That canopy the "fair one's" head;
 Like some delicious tree that throws.

Its shade, inviting to repose.

And, like soft turf, the carpets lie,
Be-decked with gay embroidery.

The temple moves, all glorious, on —

Throned in the midst the "happy one"

All heaven resounds with shout and song.

As the bright pageant sweeps along.

The camel drivers' cries succeed,

Urging their stately beasts to speed.

Whose hoofs, with swift and frequent tread,

The sands with moon-like forms have spread.

The earth is ploughed by courser's feet,

And still fresh hosts the wounds repeat

Many a fair and blushing maid

Exulted in the gay parade:

And, who called the Asis lord,

Hailed the fair idol he adored.

But she — "the beautiful," "the blest"

What pangs, what tumults shook her
breast!

The dat, concealed from every eye,
 Alone in hope less misery.
 "Oh fat!" she cried, "Oh ruthless fate!"
 Why am I made thy mark of hate,
 Why must my heart thy victim be?
 Thus lost, abandoned— crushed by thee!
 Thou comest, the pleasure of my soul,
 In visions that the blest might share,
 Whose only fruit has been despair.
 I see each glittering fabric fall;
 But vain reproach, vain trust, vain ^{all!}
 For help, for rest, where can I fly,
 My heart is riven— let me die.
 Have I then lingered long in pain,
 In sad suspense, in munsings vain,
 To be — oh, crowning grief! — betrayed,
 In foreign lands a victim made.
 Relentless destiny! accurst
 Were all the joys thy visions nurst.

Is there no drop of hope left yet?

Must I all promises forget?

Dash not my cup to earth: say Power
benign,
I may the blest — even yet he may be mine,



حکیم غیاث الدین ابوالفتح عمر خیام

نیشاپوری

عمر خیام کے کلام کی وقعت و شہرت یورپ و ایشیا میں جو ہوئی وہ مخمخاج بیانِ نین
لندن میں تو ایک کلب اس بے نظیر شاعر کے نام سے موسوم ہے۔ اسی راجہ
اور کلام کا ترجمہ دنیا کی تمام مہذب زبانوں میں ہو گیا ہے۔ اس وطن نیشاپور
جہاں تصوف اور شاعری کے بزرگ شیخ فرید الدین عطار قدس سرہ پیدا ہوئے
تھے۔ پیدائش کی تاریخ تحقیق نہیں۔ مگر انتقال ۵۰۵ ہجری مطابق ۱۱۳۱ء میں ہوا
من بن صباح بانی فرقہ مشیشین نظام الملک وزیر شاہ الپ ارسلان و فلک
شاہ سلجوقی اس سخنور کے ہم کتب اور ہم عمر تھے اور ابن تیمون نے حمد کہا تھا

کہ ہم میں سے اگر کوئی اعلیٰ درجہ پر پہنچ جائے تو پچھن کے دوستوں کو نہ بھولو
 اتفاق کی بات نظام الملک الہ اسد اللہ کا وزیر ہو گیا۔ اسے ظلی کا عہدہ ایوایا
 عمر خیام کو لکھا کہ آپ کے مرتبہ اور لیاقت کی قدر کیجئے گی میرے پاس آئے
 عمر خیام نے شکر یہ ادا کر کے لکھا کہ میں دعا کرتی دولت و اقبال کرے تارہتا ہوں
 زیادہ ہوں نہیں۔ اور اگر ہے تو صرف اتنی کتاب کے زیر سایہ بقیہ زندگی آرام سے
 بسر کروں۔ نظام الملک نے فوراً بارہ سو منقل طلا کی پیشین سالانہ خزانہ پیشینا پور
 کے نام لکھی۔ معاش کی طرف سے مطمئن ہو کر سہیت اور نجوم کی تحصیل میں مشغول
 ہوا۔ ان علوم میں یدِ طولیٰ حاصل کر لیا۔ سلطان ملک شاہ سلجوقی کے عہدِ حکومت
 میں مرو میں آیا۔ سلطان نے عنایتِ خسروانہ منبذول فرمائی اور جو غرتِ علم و
 کمال کی ہونی چاہیے ویسے ہی کی۔ بلکہ اس سے بڑھ کر اور شاہی نجوم مقرر فرما کر
 حکم دیا کہ چند رصد گاہیں اس ملک میں بھی طیار کی جائیں۔ عمر نے بعد و دوسرے
 نجوم کے رصد گاہیں بنائیں۔ ریاضی میں ایک جدید قاعدہ اضافہ کیا۔ اور
 جبر و مقابلہ کے حق میں تو اجمیات کا کام کیا۔ انیسویں ہے کہ عمر خیام کا جبر و مقابلہ
 اس کے ساتھ ہی فنا ہو گیا۔ در نہ وہ آج بڑے کام کی چیز ہوتا۔ یونانی زبان کا
 مسلم الثبوت اوستا لکھا۔ وہ اسل عمر خیرہ لکھا اور اس کی رعایت سے خیام
 نخلص لکھا۔ اسکی تصدیق مسٹر اسٹوارٹ اور مولوی محمد علی صاحب پروفیسر
 میور کلن الہ آباد بھی کرتے ہیں۔ سائنس اور نجوم جاننے والوں کا جیسا قاعدہ
 کہ نسیب کی طرح سے آزاد ہوتے ہیں وہی نسیب میں لکھا تھا چنانچہ بلجاریات
 سے جبر و مقابلہ لکھی ہے۔

انتخابِ باعیات

جز بیخ زمانہ بیچ مو ہو سہ نسبت
عمہ گزشت و بیچ معہ لومہ نسبت

از گردشِ بیخ بیچ مفہوم نسبت
ہر چند بجا خوشی درے گرم

دیگر

گردنہ فلک برائے کار بودست
کال مردکب چشم نگارے بودست

پیش ازین و توسیل و نہار بودست
ز نہار قدم بجاک آہستہ نہی

دیگر

از تخت قباد و مملکت طوس بہت
از طاعت زاهدان سالوس بہت

یک جرم و ز ملک کاوس بہت
ہر نالہ کہ زنی بر سحہ گاہ زند

دیگر

کز شادی از و یک نفسے آن نبرستی
ہرگز نہ شود چنانکہ دخواہ کسے ست

ساقی قدمے کہ کار عالم نفسی ست
عوش باش ز ہرچہ پیش آید بہان

دیگر

بے بادۂ ارغوان نے بایزیت
ناسبز و خاک ماتما شاگہ کیست

برآمد و باز ہر سیر سبزہ گریست
امروز کہ ابن سبزہ تماشا گہ بہت

دیگر

آرام گہ ابن صبح و شام بہت
قصر و کت کہ تکیہ گاہ صد بہت

ابن کتہ رباط را کہ عالم نامت
زیست کہ و اماذہ صد بہت

دیگر

رو بویچہ کر کو شیر آرام گرفت
امر و زنگہ کہ گور بسہ رام گرفت

آن قصر کہ بہرام دروہام گرفت
بسہ رام کہ گورے گرفتہ دیم

دیگر

تاریک دلم نور صفائے تو کجاست
ابن نوح بود لطف و عطا تو کجاست

من بندہ عاصم رضائے تو کجاست
مارا تو بہشت گر بطاعت بخش

دیگر

وز خویش جفا کند بہ اندیش من است
وز نوح مخالفت کند نش من است

بیگانه اگر دین کند خویش من است
گر زہر موقت کند ترا یک من است

دیگر

وز بہرشت آستمانے دارا
گوشاد بزی کہ خوش جملنے دارا

درد ہر آن کہ نسیم نامے دارد
نہ خادم کس بود نہ محن دوم کے

دیگر

قدر تو بقدر معرفت خواہد بود
حشر تو بصورت صفت خواہد بود

روزے کہ جزائے بر صفت خواہد بود
در من صفت کوش کہ در روز جزا

انتخاب از کلیات

PROFESSION OF FAITH.

Ye who seek for pious fame,

And that light should gild your name,

Be this duty ne'er forgot,—

Love your neighbour harm him not,

To The, Great Spirit, I appeal,

Who canst the gates of truth unseat;

Ifollow none, nor ask the way

Of men who go, like me astray;

They perish, but Thou canst not die,

But liv'st to all eternity.

Such is vain man's uncertain state,

A little makes him base or great;

One hand shall hold the Koran's scroll,

The other raise the sparkling bowl—

One senses, and one condems the soul.

The temple I frequent is high,

A Turkish vaulted dome the sky,

That spans the world's with majesty.

Not quiet a Moslem is my creed,

Nor quiet a Gior; my faith, indeed,

May startle some who hear me say,
 I'd give my pilgrim staff away,
 And sell my turban for an hour
 Of music in a fair one's bower.

I'd sell the rosary for wine,
 Though holy names around it twine,
 And prayers the pious make so long,
 Are turned by me to joyous song,
 Or, if a prayer I should repeat,
 It is at my beloved's feet.

They blame me that my words are clear;
 Because I am what I appear;

Nor do my acts my words belie —
 At last, I shun by procrisyl.

It happened that but yesterday —

I marked a potter beating clay,

The earth spoke out — "Why dost thou strike?"

Both thou and I are born alike;

Thou some may sink and some may soar,

We all are earth, and nothing more.

شیخ ابو الفیض فیضی

فیضی ایک قدیم اور بزرگ خاندان کا نو نیاں تھا۔ اسکے آبا و اجداد میں کے رہنے والے تھے۔ دسویں صدی ہجری میں اسکے بزرگ ہندوستان میں آئے اور فیضی کے باپ دادا نے آگرہ میں مستقل طور سے سکونت اختیار کی۔ اسکا باپ شیخ مبارک صوفی فاش اور بڑا عالم تھا۔ فیضی کا بھائی ابو افضل لکھنؤ کی زیادہ ترہم دونوں بھائیوں نے اپنے باپ ہی سے علوم میں استفادہ حاصل کیا۔ بعض مورخوں نے فیضی کو شبہ لکھا ہے مگر ابو افضل کا قول ہے کہ ہمارا خاندان حنفی تھا۔

۹۵۴ھ ہجری مطابق ۱۵۴۷ء میں فیضی پیدا ہوا اور ابو افضل اسکا چھوٹا بھائی بنا۔ نام جب تک اہل علم باقی ہیں علما کی فہرست میں رہے گا۔ ۶۔ محرم ۹۵۶ھ ہجری میں ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوا۔ دونوں بیٹوں کی تعلیم تربیت میں شیخ مبارک نے نہایت کوشش کی۔ آوارہ لڑکوں اور بڑی صحبت سے ہمیشہ بچانے رہے چنانچہ ایک لڑکے ابو افضل لکھا ہے۔

زابتدا بر ماںک و باپک بنا زیدم چو طفل ۶ زانکہ ہم ماںک رفیم بود ہم باپک سن
 باپ کی غور و برداشت اور باقاعدہ تعلیم کے سبب سے فیضی ۱۹ برس اور ابو افضل
 ۱۵ برس کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ یوں کہو کہ اس زمانہ کے دونوں بھائی
 اس چھوٹی سی عمر میں ایسے تھے۔

فیضی کے کتب خانہ میں چھاپا میں نزار جلدیں تھیں۔ اس زمانہ میں جبکہ چھاپے کا نام

نشان بھی نہ تھا۔ اس قدر کتابوں کا فراہم کر لینا بڑا مشکل کام تھا۔ یہ کتابیں چار قسم کے کتب خانوں میں تھیں۔

(۱) شامیخ علم اللسان - طب - انشا - علم ادب -

(۲) نظم - علم الاخلاق - علم موسیقی -

(۳) فلسفہ - تصوف - ریاضی - نجوم -

(۴) تفسیر - فقہ - حدیث - اصول -

۹۷۷ ہجری مطابق ۱۶۷۱ء شہنشاہ اکبر اعظم نے فیضی کو اپنے دربار کے

شاعروں میں مقرر کیا اس نے ٹریجر اور شاعری میں جو کارناما بیان کئے وہ پوشیدہ

تھیں۔ اکبری دربار میں جہان دنیا بھر کے لائق انشا پرداز شاعر جمع تھے ملک الشعرا

کا خطاب پایا۔ اور سنسکرت کا دروازہ کھول دیا۔ جس سے مسلمان بہت کم استفیہ

ہئے تھے۔ سنسکرت کی ہشمار تصانیف کا ترجمہ فیضی نے فارسی میں کیا یا اون کو

صحیح کیا۔ روزگار ڈن آف پرشیا میں اکی نسبت ایک عجیب روایت لکھی ہے

جسکی صحت میں شک سا ہوتا ہے۔ یعنی فیضی نے پنڈت کا بھیس بدل کر ایک فاضل

سے بنارس میں سنسکرت تحصیل کی۔ کچھ عرصہ کے بعد یہ دھوکھا کھل گیا تب اسکے

اوستاد نے غم و عہد سے خودکشی کا ارادہ کیا فیضی نے شکل برہمن کو باز رکھا۔ مگر فاضل

اوستاد نے شاگرد سے قسم لے لی کہ ہندوؤں کے مقدس ویدوں کا فارسی میں ترجمہ

کرے۔ مود فیضی کہتے ہیں کہ فیضی سے پہلے مسلمانوں میں کوئی شخص سنسکرت کا

عالم نہیں گذرا۔ مگر مسٹر ایبٹ اپنی کتاب مؤرخین ہند جلد ۲ صمیمہ ۲ میں لکھتے ہیں کہ فیضی

سے پہلے ہی مسلمان سنسکرت جانتے تھے۔ غیر اس سے پہلے اگر مسلمان سنسکرت

جانتے بھی تھے تو انہوں نے کوئی نیا اور نیا تصنیف نہیں چھوڑی تھی۔ فیضی نے سنسکرت کی کل عمدہ عمدہ کتابوں کا ترجمہ سوا سے وید کے قدیمین کر دیا۔ جس میں چند ہندوستان میں بھی تصنیف کئے ہیں سب سے زیادہ خوب ان کی کتاب سوانح اللہ الامام یا تفسیر بے نقط کلام اللہ شریف ہے۔ جس پر اردو کی عربی زبان میں تفسیر اور بے نقط و حیرت کا دریا نظروں کے سامنے آتا ہے اور خیال ہوتا ہے کہ فیضی کا علم کس پر کیا تھا۔ منشی نوکشا کے پریس میں تفسیر چھپ گئی ہے۔ ہر شخص کو ایسی نادر کتاب دیکھنی چاہیے۔ خصوصاً ان حضرات کو جو مسلمانوں کے علم و ہنر کو نظر حفاقت سے دیکھنے کے ماوی ہیں۔

حضرت آدم سے لیکر حضرت مسلم کے زمانہ تک ایک تاریخ لکھی ہے وہ بھی غیر منقطع ہے ایران میں جہان کے باشندے غیر ملک کے فاضل کی لیاقت کو فارسی زبان باندی میں تسلیم کرنے کو قومی بینک سمجھتے ہیں۔ فیضی اور ابو الفضل کی ایسی ہی عزت ہے جسے اور تاجدار الکلام مصنفوں اور لائق زبانوں کی۔ اس کا چھوٹا بھائی ابو الفضل بھی کچھ کم لائق تھا اس کی تصنیفات آئین اکبری۔ اکبر نامہ۔ ابو الفضل وغیرہ انک موجود ہیں۔ زبان کو عربی عبارت کو ملاحظہ فرمائے کیا شہرہ و ملیت عبارت ہے۔ اب کو ترجمہ دہوئی ہوئی بابت بیخ مبارک جب ان دونوں ہونہار اولاد لائق میٹوں کی شہرت لیاقت اور علم و فضل کو دیکھتا ہوگا کیا خوش ہونا ہوگا۔ مبارک ہے وہ بابت جسکی لائق اولاد موجود ہو۔ شہر کا سیلو روز گاروں آف پرشیا میں لکھتے ہیں۔ فیضی کی معمولی غزلین بھی شگ نادر کی طرح ہیں جسکی دلاویز شہرہ شام جان کو سطر کر دیتی ہے۔

سرولیم جوئس عربی فاضل اور مستشرق کے پیشرو و معروف عالم فاضل لکھتے ہیں کہ فیضی ایک عالم اور عمدہ مصنف تھا۔ اس کی تصنیف کے اکثر مرقوم نے لکھا ہے کہ

اشیا میں جس قدر ایق اہل تسلیم گزرے ہیں فقہی سب میں افضل تھا۔
 شاہ عباس صفوی کی طرف سے ایران کے حبیب عالم ملا طاہر وحید نے شہنشاہ
 اکبر کی خدمت میں ایک رباعی بھیجی۔ ملا کو اس رباعی کے صلہ میں عباس نے
 بڑا انعام و اکرام دیا تھا۔ مگر تیسرے مصرعہ اکبر پر چوٹ کرتا ہوا تھا۔ وہ رباعی یہ ہے۔

رباعی

زنگی بہ سپاہ و خیل و لشکر نازد | رومی بہ سنان و تیغ و خنجر نازد
 اکبر بہ خستینہ پُر از زر نازد | عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد
 فیضی نے فی البدیہہ یہ رباعی تعریف کر کے قاصد کے ہاتھ ایران بھیج دی۔

فردوس بہ سلسیل و گوشر نازد | دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد
 عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد | کونین بہ ذات پاک اکبر نازد

اکبر بہت خوش ہوا اور ہفت ہزاری منصب پر سرفراز کر دیا۔
 ایک اور حکایت مشہور ہے کہ شاہ عباس صفوی اور شہنشاہ اکبر دونوں اسی کا
 صفیا کرتے تھے مگر فرق اتنا تھا کہ عباس مسلمانوں کی وضع اور اکبر ہندو نکا
 لباس اختیار کئے ہوئے تھا۔ علاوہ ازیں اکبر کے عقائد کا ظاہری برتاؤ ایسا
 نہ تھا جو ہندو عقیدے تک سرگوشیاں نکرتا۔ اس لئے تفتیش حال کی
 غرض سے شاہ ایران نے ایک نامہ بھیجا۔ ابو الفضل نے اس کا جواب
 ذیل کے دو شعروں میں دیا۔

قبیل ان اللہ ذو ولد | قبیل ان الرسول قد کہنا

بانی اللہ و الرسول معاً من لسان اوری کیفانا
 (ترجمہ) لوگوں نے خداوند کریم کو صاحب اولاد اور رسول کریم کو ساحر کہا
 جب نبی اور خدا نے زبانِ خلق سے نجات نہ پائی۔ تو ہم تم کس قطار میں ہیں۔
 فیضی اور ابوہنسل دونوں بھائی یورپ میں مشہور ہیں۔ یورپین عالموں نے
 دونوں کی تصنیفات کا اپنی زبانوں کا ترجمہ کیا ہے۔

ابوہنسل کا نظم کلام اول تو کم ہی اور جو ہی بھی وہ صرف نثر میں۔ یعنی نثر لکھتے لکھتے
 تمثیل کے طور پر شعر بھی لکھ جاتا ہے۔ دیوان مکمل نہیں فیضی کا دیوان موجود ہے
 اول ہم فارسی غزلیں اور اس کے بعد انگریزی ترجمہ میں سے انتخاب درج کریں گے۔

غزل

درد کش را کہ سید ہدایا
 پرودہ عاکفان ستر عفاف
 عشق ہر جا کشد کمان مصاف
 شیر نر بر زمین گذارد ناف
 چہ کنم با نگاہ دیدہ شگاف
 گو ہر عشق را منم صرف
 پیشگاہ ادب رسید ملاف

بادہ صفا ست و محسبنا صفا
 بلکہ گویم کہ سید رسالتی
 عقل از کف مسپر عینہ ازد
 آموی ست من اگر این ست
 گفتم از حسن دیدہ بر بندم
 ہر سر چار سوسے رسوائے
 فیضی از حرف عشق لب پر بند

دیگر

کز ششہ غم بر آن چہرہ نشاط
 در سنگدان عشق قدم نہ باصیاط

یار بیا کہ بازی زندن این ساط
 چندین ہزار کاس سہ ذرہ ذرہ

باغ جهان تپه است ز گل‌های این باط
ساقی کرم خون نکند سیل اختلاط
دانا ساخت برگ آقامش برین باط

اسے صد ہزار نالہ کہ از تنہ باد غم
گر خون دل خوردند حرفیان بجا تو
نکشتای بے نگناتای جهان محل مسید

فیضی تو پاکباز کہ از بازی قضا
منصوبہ عجب نشیند درین بساط

انتخاب از دیوان Gazel.

To day is given to pleasure,

It is the feast of spring;

And earth has not a treasure

Our for tune shall not bring.

Fair moon! the bride of heaven confest,

Whose light has dimmed each star,

Show not thy bright face in the East,

My love's out shines it afar.

Why sighs the lovely night angale,

Ere days first beams appear?

She murmurs forth her plaintive tale,

For coming Spring to hear.

Oh, ye severely wise,

Today your counsels spare;

Your frown in vain denies

The wine-cup and the fair.

Within our hands of bliss.

The dervish maybe seen,

Whose seat, till days like this,

Within the mosque has been.

I care not - but the truth declare,

That Hafiz fills again:

His eyes are on his charming fair,

His lips the wine cup drain.

از رامین قفزی
BRIMA'S SORROW

Minstrel, wake the magic spell!

Sing of love, its wonders tell;

Tell how it subdues the proud.

Shall we blame weak man that falls.

When thy glowing verse recalls,
 How immortal natures bowed,
 How great Brimha's heart wastried,
 How far woman's love he sighed,
 Who shall say where love begins,
 How its subtule way it wvns?
 Gods, who love the race they frame,
 Can not tell whence springs the flames.
 Man may reason long and well,
 But can never break the spell.
 Sing of Brimha's and the pain.
 Which distrubs his sacred reign;
 Even on his heavenly throne
 Tears of sorrow cloud his eye
 Dreaming of that fatal one,
 Born awful mystery:
 Last created - prized the most,
 Beauteous, loving, loved, and lost!
 Some times when the stars look dim,

And the moaning winds are high,
Brimha wakes his mournful hymn,
Tuned to grief that can not die.

اسدی طوسی

اسدی طوسی کا نام دو وجہ سے بہت مشہور ہے۔ اول تو وہ ملک الشعراء فردوسی کا
اوستاد تھا (میرے محترم مخدوم جناب شمس العلماء مولوی محمد شبلی صاحب لفظانی
ایک عنایت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اسدی کی اوستادی بھوت فیہ ہے
اکثر تذکرہ نویس لکھتے ہیں کہ وہ فردوسی کا اوستاد تھا لیکن بعض فرین اس کے
خلاف ہیں) دویم اسے چار ہزار بیس شاہنامہ کی بھی تصنیف کی تھیں۔

یہ نامور شاعر سلطان محمود غزنوی اناراشدہ برانہ کے دربار میں نہایت عزت کا درجہ
رکھتا تھا۔ سلطان نے بارہا تاریخ ملوک عجم نظم کرنے کے واسطے ارشاد فرمایا
مگر اس نے ہمیشہ پیری کا قدر پیش کیا۔

فردوسی اس سے ابتدای زمانہ میں اصلاح لیا کرتا تھا۔ آخر جب سلطان کا ہمسار
زیادہ ہوا تو مجبوراً چار ہزار بیس لکھنے پایا تھا کہ پیام اجل آگیا۔ بعد ازاں پورا شاہنامہ
اوسکے ہونہار شاگرد فردوسی نے ۵ سو برس کے عرصہ میں ختم کر دیا۔ اسدی طوسی کی
تصنیف سے میل نہار کا سا کلمہ یادگار ہے۔ جس کو ہم بھی ذیل میں نقل
کرتے ہیں۔

DAY AND NIGHT

Day and night, who each can yield
 Joy and solace to the earth,
 Thus contented for the field,
 Claiming both the highest birth—

Night spoke frowningly:—“ ’Twas I
 Who from all eternity
 Ruled the chaos of the world,
 When in dim confusion hurled.

The fervent prayer is heard at night;
 Devotion flies day's glaring light.

'Twas night, the Mount when Moses left;
 At night was Lot avenged by fire:
 At night the moon our prophet left,
 And saw Heaven's might revealed entire.

The lovely moon for thirty days

Spreads radiant glory from afar:

Her charms for ever night displays

Crowned, like a queen, with many a star

Her seal bearer is Heaven, a band
 Of planets wait on her command.
 Day can but paint the skies with blues
 Night's starry hosts amaze the view.
 Man measures time but by the moon,
 Night shrouds what day reveals too soon.
 Day is with toil and care oppressed,
 Night comes, and with her, gentle rest.
 Day, busy still, no praise can bring,
 All night the saints their anthems sing;
 Her shade is cast by Gabriel's wing!
 The moon is pure, the sun's broad face
 Dark and unsightly spots deface:
 The sun shines on with changeless glare,
 The moon is ever new and fair."
 Day rose, and smiled in high disdain:
 "Cease all this boasting, void and vain;
 The Lord of Heaven, and earth, and thee,
 Gave me a place more proud than thine

And man with joy my rising see,
 And hail the beams that round me shine
 The holy pilgrim takes by day.
 To many a sacred shine his way;
 By day the pious fast and pray;
 And solemn feasts are held by day:
 On the last day the world's career is run,
 As on the first its being was begun.
 Thou, Night, art friendly, it may be,
 For lovers fly for help to thee.
 When do the sick thy healing see?
 Thieves, by the aid, may scattleless prow;
 Sacred to thee the bat and owl;
 And, led by thee, pale specters grainly
 Isprang from Heavⁿ, from dust art thou, ^{how!}
 Light crowns my heads with many a gen^l;
 The collier's lap is on thy brow—
 For thee a fitting diadem.
 My presence fills the world with joy;

Thou canst all comfort to annoy.
 I am a Moslem—white my vest;
 Thou a vile thief, in sable drest.
 Out negro-face!—durst thou compare
 Thou cheeks with mine, so purely fair?
 Those 'hosts of stars, thy boast and pride,
 How do they rust their sparks to hide,
 How to their nations darkness run,
 When, in his glory, comes the sun!
 True, death was first; but, tell me, who
 Thinks life least wor thy of the two?
 'Tis by the moon the Arab counts;
 The lordly Persian tells his year
 By the bright sun, that proudly mounts,
 The yielding heavens, so wide and clear.
 The sun is ruddy, strong, and hale;
 The moon's sickly, wan, and pale.
 Me thinks 'twas ne'er in story told
 That silver had the worth of gold!

The moon, a slave, is bowed and bent,
 She knows her light is only bent;
 She hurries on, the way to clear.
 Till the great Shah himself appear.
 What canst thou, idle boaster, say
 To prove the night excels the day?
 If stub-born still, let him decide
 With whom all truth and law abide,
 Let Nasur Ahmed, wise as great,
 Pronounce, and give to each his state."

ابو اسماعیل حسین طغری

طغری اصفہان کا باشندہ اور زبردست شعرا میں سے گذرا ہے۔ قادری
 ہونے کی وجہ سے بادشاہ کی طرف سے خطاب "عزت الشعراء" عطا ہو گیا
 خط طغری میں کمال حاصل تھا۔ سٹراٹوارٹ لکھتے ہیں کہ شاید اس وجہ سے
 طغری تخص رکھ لیا ہوگا۔ سلطان ہوسل نے لیاقت و طبیعت کی وجہ سے درجہ
 وزارت عطا کیا۔ لیکن اس عہدہ پر یہ بالکمال عرصہ تک نہ رہنے پایا۔ خواجہ حسن
 میمنہ دی وزیر سلطان محمود اسکے کمال اور لیاقت کا دشمن تھا۔ آخر ایک موقع پر

پیرانی دشمنی نکال کر قتل کر ڈالا (موصول اس وقت میں سلطان محمود کے ماتحت تھا)
 ایک کتاب "لامیۃ العجم" اسکی تصنیف سے یادگار ہے۔ شاید ایران یا یورپ
 میں ہو ہندوستان میں تو ناپید ہے۔ ایک نظم کشمیر کی تعریف میں لکھی ہے
 اسکا انگریزی ترجمہ بعد تلاش لکھا جاتا ہے۔

Eulogy on Kashmir.

*Hail to the city from whose bowers—
 The glowing paradise of flowers!—
 Soft zephers waft the rose's breath,
 By moonlit night and blushing morn,
 Even to the ruby, hid beneath
 The golden hills of Badakhshan!
 Whose gale with perfume-laden wing,
 O'er Arabs desserts hovering,
 Atint as radiant can bestow
 As beams that in the emerald glow.
 Upon thy mountains fresh and green
 The velvet turf is scarceley seen,
 So close jasmine twine around
 And strew with star-like flowers, the ground,
 The ruddy glow of sunset lies*

Within thy rich pomegranate's eyes;
 And flashing' midst the tulip-beds,
 A blaze of glory round them sheds.
 Night dwells amidst thy spicy groves;
 Thy saffron fields the star of morning loves;
 Thy violets have tales of eyes as fair;
 Thy hyacinths of waving, dusky hair;
 Thy glittering, sun-flowers make the year
 all springs;
 Thy bees their stores are ever gathering;
 And from the rose's branches, all day long,
 Pours the melodies night-ingale her song;
 Amidst the leaves her bark-like nest is lost
 In melody, and love, and benty lost.
 The rich narcissus, quaffing dewy wine,
 Clings to thy breast, where buds un-numbered
 twine;
 No eye can see the bound where end thy
 bowers,
 No tongue can number half thy gem-like
 flowers.
 Such freshness lingers in thy air of balm.
 That even the tulip's burning heart confesses

The life its sigh bestows at ev'ning's calm,
 When the glad cypress shakes ^{her grace-}
 The waves of each rejoicing river ^{full blesses.}
 Murrmur melody for ever,
 And to the sound, in wild amorce,
 On their glad crests the dancing bubble plays.
 While lotus flowers, just opened, there,
 Look with bright eyes towards heaven in prayer.
 So clear thy waters that, reflected bright,
 The dusky Ethiop's skin is pearly white.
 So cool, that as the sun his fingers loves,
 They shiver on the surface of thy waves.
 The immortal lily, pure as angle's plumes,
 All day, all night, the grove with light illumines;
 The grove, where garlands, by the roses made,
 Like clustering Pleids, glimmer through the shade,
 And hide amidst their leaves the timid doves
 Whose ringed neck proclaims the slave of love
 Tell me what land can boast such treasures?

*Is sought so fair, is ought so dear?
Hail! Paradise of endless pleasures!
Hail! beautiful, beloved Kashmir!*

شیخ فیدالدین عطار قدس سرہ

شیخ کا وطن نیشاپور ہے۔ انگریز آپ کو سرآمد صوفیاء کہتے ہیں۔ آپ کی تمام زندگی ریاضت
حجابہ اور فقر و فاقہ میں گزری۔ آپ کا انتقال بعد ایک سو بارہ سال بعد سلطان
شاہ اسماعیلی میں ہوا۔ شیخ کی تصانیف سے چند نامہ آسرا نامہ اور چہید
کتابیں ہیں۔ مثنوی عشقیہ میں سے دو فصلیں نقل کی جاتی ہیں۔ ملاحظہ فرمائے
کیسا موثر کلام ہے۔

خطاب بہ عشق

در عالم مثل خود نداری
صراف ازل ز دستش آید
خورشید بذرہ کیش نازد
از فروغ نعت حاصل
دانندہ سر لایزال
ہر کس کہ تو خواہیش سانی

اے عشق تو کامل العیاری
نقدے کہ یہ بولتہ تو گداز
نورت زد لے کہ سرفراز
اے خاک در تو منزل دل
آگاہ ز صہل ہر کالی
دانی رہ ملک بے نشانی

بنگر کہ چہ سخت ناتوانم ^۴

عملیت کہ بے تو نیم جانم

خطابِ بگریہ

در شادی غنیمت فنیق مانی
جاسے تو بدیدہ و دل مس
ساری بجهان تو حکم تقدیر
فردے کہ نسبت با تو ہمدم
عاصی ز تو برودہ پے برحت
ارباب فراق با تو دل بند
دایم ز لذت اشکباراند
گویند اگر چه بے غمانند ^۴

اے گریہ تو بس شفیق مانی
مہر تو مدام شامل مس
شد جو ہرگز از کمال تاثیر
در عرصہ کہ تمام عالم
عابد بہ تو یافت ذوق عطا
اصحابِ وصال از تو خرسند
آن طائفہ کہ ہوشیار اند
دانا کہ مدام مست نمانند

The Way to Paradise.

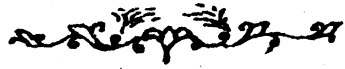
*Would'st thou inherit Paradise,
The maxims keep before thine eyes;
So thy heart's mirror shall appear,
For ever shining bright and clear.
Give thanks when fortune smiles serene,
Be patient when her frown is seen;
If thou hast sinned, for pardon plead,*

And help shall follow at thy need,
 But shall be hope the prize to hold,
 Who with new sins conceals the old?
 Be penitent, be watchful still,
 And fly the votaries of ill;
 Avoid the paths that lead to vice,
 And win thy way to Paradise.

The Praise of the Almighty.
 Unbounded praise to God be given,
 Who from his throne, the height of ^{heaven}
 Look on this handful frail of earth -
 Unnoticed man - and gave him birth.
 On Adam breathed, and bade the ^{woman}
 Pause, and his servant, Noah, save;
 The tempest, with His terrors clad,
 And swept from earth the tribe
 And for his "friend" Oh! bliss his name
 To roses, changed a bed, of flame:
 The smallest insect, at His will,

Becomes an instrument of ill.
 He spoke, the sea o'erwhelms His
 And the hard rock a camel ^{foes.} grow.
 The iron turns, at His command,
 To phant wax, in David's hand.
 To Solomon he gave His sway,
 And bade the Dives his signed
 To one a diadem is given, ^{obey;}
 Another's head the saw has riven.
 Impartial in His goodness still,
 Equal to all is good or ill.
 One lies on Persian silk reclined,
 One naked in a frozen wind;
 One scarce can count his heap of ore,
 One faints with hunger at the door.
 He bade a virgin's child appear,
 And made an infant's witness clear
 The dives before His vengeance fly,
 By hosts of star expelled the sky.

And kings, who hold the world in
 At His great work to ruin fall.



شیخ عبد اللہ ہاتفی حرمی علیہ

ہاتفی ۱۲۰۰ برادر زادہ مولانا جامی جامی مضافات خراسان میں پیدا ہوئے
 اپنے عم بزرگوار سے شاعری اور تصوف میں استفادہ حاصل کیا۔ مولانا جامی
 صاحب بھی اپنے صاحب کمان بختیجے سے بیادلفت رکھتے تھے یورپین حکمرانوں
 بلا اختلاف آرا مان لیا ہے کہ اگر مولانا جامی کے بعد کسی کا نمبر ہے تو وہ ہاتفی کا
 انھوں نے اپنے زمانہ میں سحر بانی کے جھنڈے گاڑ دئے اور خدا داد
 فصاحت و بلاغت سے ہم عصر شعراء میں ہمیشہ ممتاز رہے۔

غزل ہاتفی جمہین خسرو شیرین۔ لیلی و مجنون۔ تہفت منظر میں مثنویاں اور
 فتوحات تیموریہ یا تیمور نامہ ایک تاریخ شامل ہے۔ زمانہ کی دست برد سے
 اب تک محفوظ اور یادگار میں۔ یورپین عالموں نے جہاں اور نامور شاعروں کے
 کلام کو اپنی زبان میں لیا ہے انکی تقابلیت کو بھی جگہ دی ہے۔

ایک انتقال ۱۲۵۶ء میں ہوا اور موضع غرد شہر میں مدفون ہوئے۔
 خسرو شیرین۔ لیلی و مجنون اور تہفت منظر ہندوستان میں بھی فحشی نو لکھنؤ

مطیع میں چھپ گئی ہیں۔ ہم انگریزی ترجمہ لیلیٰ و مجنون میں سے اتنا با
کچھ درج کرتے ہیں۔

The meeting in the desert.

Even take the roaming moon, along

The dressy path fair Leila strayed,

Till, worn and spent the wilds along,

Deep sleep o'er powered the maid:

And from her hand the bridle's cheek,

Fell on the patient camel's neck.

The guides were far and dark the night,

The weary camel stopped to gaze,

The caravan was hid from sight —

Then lost amidst the desert's maze.

Unconscious still, she wandered on,

And woke — untended and alone!

The Rose was severed from the plain,

Nor friends nor strangers now in trade:

On through the waste she speeds amain,

But all is trackless solitude.

From spot to spot with anxious fear,
 She hastes, she calls, but none can hear!
 When, from a wild and gloomy height,
 A dusky form rush'd forth to sight.
 No terror siezed the maiden's heart —
 A thought sprung there which chilled her tread,
 For in that waste, from apart,
 A life of pain her Kais led,
 Might not this stranger know his state,
 And give her tidings of his fate?
 So wasted, worn, and changed with care,
 His mind avoid, himself forgot,
 The hapless victim of despair —
 Even she, the True One, knew him not!
 "Whence com'st thou?" Leila said, "and why
 Amidst these deserts dost thou roam?
 Tell me thy name — what destiny
 Has lured thee from thy friends and home?"
 The grief struck youth, unconscious grown,

Knew not his Leila's gentle tone:

"Seek'st thou to know what slave am I,
For ever doomed a wretch to rove?"

'Tis Kais, spent with misery -

'Tis hapless Mejnoun, made for love!"

مولانا ابو محمد الیاس یوسف نظامی گجنوی

یورپین مورخ مولانا نظامی کا سال ولادت سنہ ۱۸۰۳ء ہجری بتلائے ہیں۔ آپ گنجه صوبہ اوران میں پیدا ہوئے۔ دروزاک واقعات کو نظم کا پیرایہ اول جسے پہنایا وہ آپ ہی ہیں۔ آپکی تصنیفات سے پانچ کتابیں مشہور ہیں۔ مثنوی خسرو شیرین۔ مثنوی لیلے مجنون۔ تسکندر نامہ ہجری دہری۔ تہفت پیکر۔ اور مخزن اسرار۔ مولانا نظامی کی خسرو شیرین کو یورپ میں ان کتابوں کے درمیان جگہ دی گئی ہے جو فارسی زبان کی جان ہیں۔ ہم اسی مثنوی میں سے انتخاباً درج کرتے ہیں۔

The labour of Ferhad.

On lofty Beysitoun the lingering sun

Look down on ceaseless labours, long begun.

The mountain trembles to the echoing sound:

Of falling rocks, that from her sides rebound.

Each day all respite, all repose denied —

(cont)

ملک الشعراء معری

معری کے ابتدائی زمانہ کا حال کچھ معلوم نہیں ہے۔ مگر اپنی لیاقت اور قابلیت کی وجہ سے نظم اور امارت میں اعلیٰ درجہ کی ترقی کی۔ سینٹ لہو ۱۷۶۰ء میں سلطان ملک شاہ والی صغمان کے دربار میں امیر اور ملک الشعراء کا خطاب کھتا تھا۔ سلطان مقرر وقتاً شاہانہ انداز کے کلام سے سرفراز فرماتا رہتا تھا۔ ملک شعراء خاقانی اور کم سے کم ایران کے سوشل شعراء نے اسکے طرز کو پسند کیا اور اپنے کلام میں معری کی بندش کا اتباع کیا ہے۔ اسی شہرت کسی اور شاعر کو زندگی میں اور مرنے کے بعد نہیں حاصل ہوئی۔ حیات میں تو شاگرد ہو ہی کرتے ہیں مگر معری کے شاگرد اور اسکے مرنے کے بعد بھی ہوتے۔ جنھوں نے اس کے کلام کا تتبع کیا انہیں خاقانی بہت مشہور ہے۔ جب قدر کلام ہے تصوف سے غلیظ نہیں اسکے دیوان کا پتہ ہندوستانی کتب خانوں میں تو ملتا نہیں شاید ایران میں ہو۔ اگرچہ ترجمہ میں سے مجبوری کچھ انتخاب ہیج کیا جاتا ہے۔

Mystical Ode

What are both worlds but the sign
That presents Almighty Love?
What are beauty's rays divine,
But the beams that round Him
Since the floods flow from the sea,
Let the river swell with pride,
(cont.)

ملک الشعراء حکیم افضل الدین خاقانی

خاقانی ایران میں نہایت اعلیٰ پایہ کا شاعر گذرا ہے۔ اس کے فن میں کچھ وحشت سی تھی اس لیے کہیں جکر نہیں رہتا تھا۔ ایک دفعہ سلطان منوچہر کی بلا اجازت جس کے دربار میں خطاب ملک شعرائی کھتا تھا کہ میں غائب ہو گیا۔ سلطان نے گرفتار کر لیا۔ اہل شہر نے قلعہ میں قید کر دیا۔ یہاں بہت سے ایرانی قیدی رہا کرتے تھے۔ خاقانی دن بھر اون سے گفتگو کرتا رہتا تھا۔ مسٹر سٹوارٹ لکھتے ہیں کہ اسکی تعریف سے ایک نظم دین مسیحی کی طرف میں بھی ہے۔ واللہ اعلم۔ رہائی کے بعد مکہ منقطع گیا۔ راستہ کی تکالیف میں ایک آنظم لکھی ہے اسکا انتقال ۸۵۰ھ میں بھام تبریز ہوا۔ شعراے ایران لکھتے ہیں کہ خاقانی ہشت قبیلہ کلام لکھی میں بے نظیر شاعر تھا۔

(انتخاب از ترجمہ انگریزی)

Gazel

Oh, waving cypress! cheek of rose!
 Oh, jasmine-breathing bosom! say?
 Tell me each charm that round her glows;
 Who are ye that my heart betray;
 Tyrant unkind! to whom I bow, (cont).

(THE END)

